© rasailojaraid.com

فقہ واجتہاد

حافظ حسن مدنی

'غیرت کے نام پر قتل' کی سزا

شرعی اور قانونی نقطہ نظر

پاکستان میں غیرت کے جرائم کا مسئلہ پانچ برس قبل اپریل ۱۹۹۹ء میں، قومی پریس میں اُس وقت نمایاں ہوا تھا جب سمیعہ عمران نامی پشاور کی ایک عورت نے اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں گھر سے فرار ہو کر عاصمہ جہانگیر کے ادارہ دستک میں پناہ لی تھی جس کے نتیجے میں اس عورت کو ماں باپ کے ہمراہ موجود باڈی گارڈ نے گولیوں سے دستک کے دفتر میں قتل کردیا تھا۔اس کے بعد سے یہ مسئلہ پاکستانی ذرائع ابلاغ میں اہم جگہ حاصل کرتا رہا ہے۔ ان سالوں کے دوران تواتر سے اس مسئلہ کے بارے میں این جی اوز نے ہر پلیٹ فارم پر پاکستانی قوانین کو تبدیل کرنے اور ایسے مجرم کو سنگین سزا دینے کے مطالبے دہرائے ہیں، مختلف سیمینار اور مظاہرے بھی کئے جاچکے ہیں اور اخبارات اس پر عوامی سروے بھی کرواچکے ہیں۔

بالخصوص ان دنوں حکومتی حلقوں میں بھی ان کے مطالبوں کو وزن حاصل ہو گیا ہے اور یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں زیر بحث بھی آچکا ہے کیونکہ دو بل اس کی حمایت میں پیش کئے گئے تھے۔ ۱۸/ اکتوبر کے اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی کہ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی نے قتل غیرت کے متعلق قانون سازی کی حمایت کرتے ہوئے ترمیمی تجاویز پاس کرکے قومی اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کردی ہیں۔ ۲۷/ اکتوبر کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت نے معمول کی کاروائی سے ہٹ کر اس بل پر بحث شروع کرائی اور چند گھنٹوں میں اسے منظور کرا لیا۔اب یہ بل سینٹ میں پیش ہونے والا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ قانونی وشرعی نکتہ نظر سے اس کا تفصیلاً جائزہ لیا جائے۔اس بارے میں ہمارے ہاں مختلف قسم کی آرا پائی جاتی ہیں:

این جی اوز کا موقف

غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے بارے میں مغرب زدہ این جی اوز کا مطالبہ یہ ہے کہ اس کو سنگین ترین جرم قرار دیا جائے اور اس کی سزا میں کوئی رعایت نہیں ہونی چاہئے۔ جسٹس (ر) ناصر اسلم زاہد کی سربراہی میں قائم کردہ 'خواتین حقوق کمیشن' نے اگست ۱۹۹۷ء

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

میں پیش کردہ اپنی سفارشات میں قرار دیا:

''غیرت کے مسئلہ پر قاتلانہ واردات کو قانون کے مطابق قتل عمد قرار دیا جائے اور اس کے لئے مناسب قانون سازی کی جائے۔'' (رپورٹ، باب نمبر۶)

❁ پیپلز پارٹی کی ایم این اے شیری رحمن نے قومی اسمبلی میں 'خواتین کا تحفظ اور ان کو طاقتور بنانے کا بل ۲۰۰۳ئ' پیش کرتے ہوئے یہی مطالبہ دہرایا اور اس پر مزید اضافہ کیا کہ ایسے مجرم کو سزاے موت دی جائے۔ اسی طرح پیپلز پارٹی کی ۸ خواتین ارا کین اسمبلی کے قومی اسمبلی میں پیش کردہ حالیہ بل میں بھی یہی مطالبہ دہرایا گیا ہے اور غیرت کے نام پر ہونے والے تمام جرائم کو عام تعزیرات تصور کرنے اور ان کی سنگین سزا دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

❁ حکومت یعنی وزارتِ قانون کی طرف سے ایک مسودہ براے آئینی ترمیم بھی اِنہی دنوں عدالت میں پیش کیا گیا ہے جس میں جرائم غیرت کو وسیع کرتے ہوئے قتل غیرت، کارو کاری اور سیاہ کاری جیسی رسوم کو اس میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایسے ہی غیرت کے جرائم کو زیادہ سے زیادہ سزا دینے اور دیگر مجرموں کو حاصل رعایت سے الگ قرار دینے کی سفارش بھی اس میں شامل ہے۔ اس قانون میں ایسی ترمیم بھی تجویز کی گئی ہے جس کی رو سے غیرت کے متعلقہ جرائم میں معافی اور صلح کی سہولت میں فریقین کا اختیار ختم ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا موقف کا حاصل یہ ہے کہ غیرت کے نام پر کیے جانے والے قتل کو عمومی وارداتِ قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم تصور کیا جائے اور ایسے مجرم کو زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے۔

دوسرا موقف

اس سلسلے میں ایک مبہم موقف مسٹر جاوید احمد غامدی کے ادارۂ اشراق کا ہے۔ اشراق کے مقالہ نگار جناب طالب محسن اپنے مضمون 'غیرت کا قتل' میں لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں سیاسی نظام پر عدمِ اطمینان کی صورت بہت عام ہوتی جارہی ہے اور ہم نظام سے بالا بالا اپنے معاملات کو مرضی سے انجام دینے لگ جاتے ہیں، اسلام نے اس روش کو انتہائی ناپسند کیا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے: «من خرج من السلطان شبرًا مات ميتة جاهلية» (بخاری:۷۰۵۳) ''جو نظامِ حکومت سے بالشت بھر نکلا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اسلام کے دشمنوں کو ذاتی سطح پر نشانہ بنانا اور غیرت میں آکر قتل کرنا نظامِ اجتماعی سے انحراف کی مثالیں ہیں اور نبی کریمؐ کے نزدیک عدمِ ایمان کا مظہر بھی۔

میاں بیوی کے رشتے میں جب ایسی صورت پیش آئے تو اسلامی قانون میں ان کے لیے یہ رستہ رکھا گیا ہے کہ وہ لعان کا طریقہ اختیار کریں۔ شادی ایک معاہدہ ہے اور اس معاہدے کی

© rasailojaraid.com

خلاف ورزی کی اس کے علاوہ کوئی سزا نہیں ہوسکتی کہ یہ معاہدہ توڑ دیا جائے اور یہ حق صرف مرد کو نہیں، عورت کو بھی حاصل ہے۔'' (ملخصاً از اشراق اگست ۲۰۰۴ئ: ص۴۰،۴۱)

❁ اسی حلقے سے قریبی تعلق رکھنے والے جناب مقبول الرحیم مفتی لکھتے ہیں:

''جس اللہ نے یہ قانون نازل کیا اور جس رسول پر یہ نازل ہوا وہ غیرت اور اس کے جملہ تصورات سے ناواقف نہیں ہیں۔ وہ غیرت کے علمبر داروں سے زیادہ غیرت مند ہیں، لیکن غیرت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص جذبات میں آکر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور بلا تحقیق انسانی جانوں کے ضائع کرنے کو اپنا حق سمجھنے لگے۔'' ('قتل غیرت اور اسلامی تعلیمات'، روزنامہ 'انصاف' لاہور بابت ۱۸، ۱۹ جولائی ۲۰۰۰ء دو اقساط)

تیسرا موقف

❁ اسی سے ملتا جلتا اُدھورا موقف پروفیسر مسز ثریا علوی نے اختیار کیا ہے، ان کی نظر میں

''قتل غیرت بہر حال قتل عمد ہی ہے اور ان کے الفاظ میں بیوی کی بدچلنی دیکھ کر مرد خود کارروائی نہ کرے بلکہ معاملہ عدالت تک لائے اور اگر خود قتل ہی کردے تو اس جرم کا ثبوت اسے عدالت کو مہیا کرنا پڑے گا، جہاں بیوی کے جرمِ زنا کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو لعان کا قانون عطا فرمایا ہے، اس صورت کو اختیار کیا جائے۔

قتل غیرت بہرحال قتل عمد ہے۔ کہنے والا اعتراض کرسکتا ہے کہ اس طرح تو آپ NGO's کے مطالبے کو ہی تقویت دے رہی ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ قتل غیرت کو قتل عمد قرار دینے کا مطالبہ اس لیے کرتی ہیں تاکہ معاشرہ سیکس فری بن جائے اور اباحیت پسندی کو فروغ حاصل ہو جب کہ ہمارا مقصد اسلامی تعلیمات کو روشناس کرانا ہے......

افسوس کہ علما بھی آج سے اسی رسم و رواج کے محافظ بنے بیٹھے ہیں۔''

(کتاب 'جدید تحریکِ نسواں اور اسلام': ص ۴۶۲، ۴۶۵، ۴۷۵)

اس موضوع پر مذکورہ تینوں موقف ناقص اور مبہم ہیں۔ پہلے موقف میں جرائم غیرت کو عام جرائم سے زیادہ سنگین سزا دینے کے مطالبے کی کوئی بنیاد نہیں، نیز اس کی سزا کو قتل عمد کی سزا سے بھی سنگین قرار دینا بلاوجہ ہے۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

''۱۹۹۹ء میں عالمی سطح پر غیرت کے نام پر قتل کے خلاف تحریک چلائی گئی۔ غیرت کے نام پر قتل کا لائسنس اسلام بھی نہیں دیتا مگر جس طرح این جی اوز نے اس کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصود پاکستانی معاشرے سے غیرت کا جنازہ نکالنا ہے نہ کہ 'غیرت کے قتل' کے خلاف احتجاج کرنا۔

وہ 'غیرت کے نام پر قتل' کے خلاف احتجاج نہیں کرتیں بلکہ خود 'غیرت کا قتل' ان کا مطلوب و مقصود ہے۔ یہاں یہ نشاندہی بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ انسانی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

حقوق کے علمبردار کسی بھی جرم کے لئے موت کی سزا کی تومخالفت کرتے ہیں مگر غیرت کے قتل کے مجرم کے لئے پاکستان کی مغرب زدہ بیگمات عبرتناک سزاے موت کامطالبہ تواتر سے کررہی ہیں۔''
('تحریک نسواں؛ نظریات و اثرات' ماہنامہ 'محدث' لاہور بابت اپریل ۲۰۰۰ء: ص ۶۴)

جہاں تک قتل غیرت کے سلسلے میں دوسرے موقف کا تعلق ہے تو اس میں غیرت و حمیت اور فوری اشتعال کے جذبات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ایسے شخص کو جس کی عزت سربازار رسوا کی گئی ہے، عام مجرم سے کوئی رعایت نہیں دی گئی۔ دوسری طرف یہاں ایک مرتکبِ زنا مجرم کو وہی اعزاز عطا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو صرف ایک معصوم مقتول کا حق ہے۔

آیئے اس اہم معاشرتی مسئلہ پر قرآن و سنت اور فقہا اسلام کا نکتہ نظر دیکھتے ہیں:

اسلام غیرت کے نام پر قتل کی اجازت نہیں دیتا!

سب سے پہلے یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ اسلام میں ایسے قتل کی نہ کوئی اجازت ہے اور نہ ترغیب بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں سے نظم وضبط کی پابندی اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ دورِ نبویؐ کے اسلامی معاشرے میں بھی اس نوعیت کے بعض مسائل پیش آئے جن کے بارے میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے ہماری واضح رہنمائی فرمائی۔

دورِ نبویؐ میں اس نوعیت کے تین مختلف واقعات کا تذکرہ ملتا ہے:

① حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ہلال بن اُمیہؓ نے نبی کریم ﷺ کے پاس جا کر شریک بن سحماء کے ساتھ اپنی بیوی کے ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ نبیؐ نے اس سے کہا: گواہ لاؤ، ورنہ تم پر حد لگے گی۔ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کو دیکھ لے تو کیا وہ گواہ تلاش کرتا پھرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گواہ لاؤ، وگرنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی تو ہلالؓ نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں سچ کہہ رہا ہوں، اس لئے میری پیٹھ کو حد سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ ضرور کوئی حکم اتارے گا تو جبریل علیہ السلام آپؐ پر یہ آیات لے کر نازل ہوئے: {وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ ... مِنَ الصَّادِقِيْنَ} (النور: ۶ تا ۹)

''جولوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچوں میں سے ہیں اور پانچویں مرتبہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا خاوند جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر اس

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کا خاوند سچوں میں سے ہے۔''   (صحیح بخاری:۴۷۴۷)

آگے حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل ہے کہ نبی کریم نے ان کے مابین لعان کروایا۔ یاد رہے کہ ہلال ؓ لعان کرنے والے اسلام میں سب سے پہلے شخص ہیں۔(صحیح مسلم:۳۷۴۶)

② سہل بن سعد سے مروی ہے کہ بنو عجلان کے سردار عویمر عجلانی ؓ عاصم بن عدی ؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا: اس آدمی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے، کیا وہ اس آدمی کو قتل کردے تو جواباً اُسے بھی قتل ہونا پڑے گا یا پھر وہ کیا کرے؟ میرے لئے نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھو۔ عاصم ؓ نے نبی کریم ؐ سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کو ناپسند کیا، گویا معیوب سمجھا۔

عویمر ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہیں رکوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں خود نہ پوچھ لوں۔ پھر عویمر ؓ آئے اور انہوں نے بھی نبی کریم سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر کے معاملہ میں قرآن نازل کردیا ہے۔ پھر نبی کریم نے سورۂ نور کی آیات (۶ تا ۹) تلاوت کیں۔ آگے حدیث میں لعان کروانے کا تذکرہ ہے۔(صحیح بخاری:۴۷۴۵)

③ اس سلسلے میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کا ہے۔ انصاری سردار حضرت سعد ؓ بہت زیادہ غیور تھے۔ اور ان کی غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ

''اُنہوں نے کنواری عورت کے سوا نکاح نہ کیا اور نہ ان کی طلاق یافتہ عورت سے بعد میں کسی نے نکاح کرنے کی جرأت کی۔(مُصنف عبدالرزاق:۱۷۹۱۷)

پہلے اس مکالمہ کی روایت حضرت ابوہریرہ کی زبانی سنئے، یہ تین روایات ہیں:

i) حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو کیا وہ اس کو قتل کرسکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: 'نہیں' (صحیح مسلم:۳۷۶۱)

ii) اگلی حدیث میں ہے کہ ''یارسول اللہ ﷺ! کیا پھر اس (مجرم) شخص کو اتنی مہلت دے کہ چار گواہ لے کر آئے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'ہاں' (صحیح مسلم:۳۷۶۲)

پھر حضرت سعد ؓ نے اپنے حوالے سے پوچھا:

iii) یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو دیکھ لوں تو کیا چار گواہ لانے سے قبل میں اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا؟ نبی کریم ﷺ نے کہا: بالکل کچھ نہیں۔ تو سعد کہنے لگے: میں تو اس سے پہلے پہلے تلوار سے اس کا فیصلہ کردوں گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

«اسمعوا إلىٰ ما يقول سيدكم، إنه لغيور و أنا أغير منه و الله أغير مني»

''سنو سنو، اپنے سردار کی بات سنو! یہ بہت غیرت مند شخص ہے حالانکہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں۔'' (صحیح مسلم: ۳۷۶۳)

iv) ابوہریرہ ؓ کے علاوہ مغیرہ ؓ بن شعبہ بھی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سعد ؓ بن عبادہ نے کہا: اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں کسی رعایت کے بغیر تلوار سے اس کا کام تمام کردوں گا۔ یہ بات نبی کریم ﷺ تک بھی پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

«أتعجبون من غيرة سعد؟ فو الله! لأنا أغير منه و الله أغير مني من أجل غيرة الله حرم الفواحش ما ظهر منها و ما بطن و لا شخص أغير من الله»

''کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو، اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ غیرت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہیں۔ اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور مخفی گناہ حرام قرار دیے ہیں اور اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عذر قبول کرنے والا نہیں ہے...... الخ'' (صحیح مسلم: ۳۷۶۴ و بخاری: ۷۴۱۶)

نبی کریم ﷺ کے ان فرامین سے بخوبی یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں غیرت کے نام پر قتل کی کوئی اجازت نہیں ہے بلکہ گواہ لانے کی تلقین پائی جاتی ہے اور یہ بات نبی کریم ﷺ کے اپنے الفاظ 'لا' اور 'نعم' کی صورت میں دوٹوک موجود ہے۔ البتہ دوسری طرف اسلام میں غیرت کو نہ صرف قابل تحسین وصف قرار دیا گیا ہے بلکہ اس میں شدت کو بھی پسند کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی صفت قرار دیا ہے۔ نبی کریم کا فرمانِ ہے:

«يا أمة محمد و الله ما من أحد أغير من الله أن يزني عبده أو تزني أمته»

''اے امتِ محمدیہ! اللہ کی قسم جب اللہ کا کوئی بندہ یا بندی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس مکروہ فعل پر اللہ سے زیادہ کسی کو غیرت نہیں آتی۔'' (صحیح بخاری: ۱۰۴۴)

کوئی شخص اپنی عزت و غیرت کے بارے میں بے پرواہ ہو، ایسا تصور اسلامی معاشرے میں ناپید ہے بلکہ بقول حافظ ابن حجر ''غیرت 'انسانی فطرت میں شامل ہے اور جو شخص غیرت نہیں رکھتا گویا وہ بد فطرت ہے۔'' (فتح الباری: ۹؍۳۲۰)

الغرض غیرت کا تصور مذاہب اور معاشرتی اقدار سے بالاتر ایک انسانی جذبہ ہے، جس کی مثالیں اسلام کے علاوہ مغربی معاشروں میں بھی عام ملتی ہیں۔ تاہم اسلام کی ہدایت و تلقین یہی ہے کہ اپنے ماننے والوں میں نظم و ضبط پیدا کرے اور اُنہیں قانون کو ہاتھ میں لینے سے روکے رکھے۔ جہاں تک نبی کریمؐ کے غیرت و حمیت کے جذبات میں آکر قتل کرنے سے روک دینے کی حکمت کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت ایک حدیث میں آئی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریمؐ

© rasailojaraid.com

قتل غیرت کے بارے میں نرم رویہ کا اظہار کرتے کرتے رک گئے اور آپ نے فرمایا:

«كفى بالسيف 'شا'» يريد أن يقول 'شاهدا' فلم يتم الكلمة حتى قال «إذًا يتتابع فيه السكران والغيران» (کنزالعمال:۱۳۶۱۳)

''تلوار ہی بطورِ 'گوا' کافی ہے آپؐ شاھد کہنا چاہتے تھے (یعنی دونوں برا کام کرتے ہوئے مارے گئے تو ان کا موقعہ پر مارا جانا ہی ان کے جرم کی شہادت ہے) لیکن آپؐ نے یہ کلمہ پورا نہیں کیا اور فرمایا: یوں تو مدہوش اور زیادہ غیرت منداس کو معمول ہی بنالیں گے۔'' (یعنی یوں تو کشت وخون کا دروازہ کھل جائے گا)

پاکستانی معاشرے میں قتل غیرت کا پس منظر

پاکستان کے قبائلی علاقہ جات، بالخصوص سندھ اور جنوبی پنجاب کے بعض علاقوں میں اس نوعیت کے قتل کے واقعات بکثرت ہوتے ہیں اور جب سے عدالتوں نے نکاح کے بارے میں خاندان کی رائے کو نظر انداز کرکے صرف لڑ کا لڑ کی کے بیان کی بنیاد پر نکاح کا فیصلہ کرنا شروع کر دیا ہے، عام پاکستانی معاشرے میں بھی اس نوعیت کے واقعات میں اضافہ ہو گیا ہے۔

قبائلی علاقوں میں اس نوعیت کے قتل کے فیصلے جرگے یا پنچایتوں کے ذریعے ہوتے ہیں اور اس میں ظلم کی بہت سی ایسی صورتیں پائی جاتی ہیں کہ بسا اوقات مردوں کے جرم کو نظرانداز کرکے عورتوں کو ایسی ثانوی حیثیت دی جاتی ہے جو اسلامی احکام سے میل نہیں کھاتی۔ یہ پنچایتی فیصلے کاروکاری یا کالا کالی وغیرہ مقامی رسومات کہلاتی ہیں جنہیں مغرب زدہ این جی اوز پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہیں۔

اس بحث سے کاروکاری یا قبائلی علاقہ جات کی کسی رسم کی حمایت مقصود نہیں، کیونکہ ان کے فیصلے بھی افراط و تفریط اور ظلم پر مبنی ہوتے ہیں، ماسوا اس پہلو کے کہ ان کے یہاں عزت کے تحفظ کا تصور شدت سے پایا جاتا ہے، لیکن مناسب یہ تھا کہ وہ اس کی روک تھام اسلامی شریعت کے مطابق کرتے نہ کہ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جرم کا علاج زیادتی سے کیا جائے۔ البتہ اس سخت رویہ کا یہ نتیجہ ضرور ہے کہ ایسی سزاؤں کے نتیجے میں وہاں عصمت دری کے واقعات عام معاشروں سے کم ہیں اور جس تہذیب و تمدن کے چمپئن مغرب و امریکہ بنے پھرتے ہیں، اس تہذیب میں بغیر نکاح کے جنسی تعلقات نہ صرف یہ کہ معمول کا کام ہے بلکہ مردوزن کی رضامندی کی صورت میں اسے جرم ہی نہیں سمجھا جاتا۔

© rasailojaraid.com

غیرت کے نام پر قتل کا مسئلہ اور شریعتِ اسلامیہ کے رجحانات

مذکورہ بالا احادیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں غیرت کے قتل کی اجازت نہیں، البتہ ائمہ محدثینؒ اور فقہا کرامؒ نے نبی کریمؐ اور دورِ صحابہؓ میں پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں ان احادیث کے مقصد ومدعا میں اختلاف کیا ہے۔ ایسے ہی نبیؐ کے فرمان کے ظاہری حکم کی بنا پر اگر اس کو جرم تصور کیا جائے تو پھر یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اس جرم کی نوعیت کیا ہے؟ کیا قتل غیرت کرنے والے کو قتل کا مجرم سمجھا جائے یا قانون کو ہاتھ میں لینے کا؟ کیونکہ نبی کریمؐ نے اس فعل سے روکا تو ہے لیکن اس پر سزائے قتل لاگو نہیں کی گویا آپ کے منع کرنے کے بعد یہ ایک جرم ہے۔ جرم کے تعین کے بعد اس کی سزا کی نوعیت کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے ساتھ اسلامی شریعت کے دیگر تصورات اور قرآن وحدیث کے احکامات کو ملا کر دیکھا جائے تو اس بارے میں چار قسم کے رجحانات ملتے ہیں:

① بعض اہل علم قتل غیرت کو تو فرمانِ نبوی کی بنا پر جرم سمجھتے ہیں لیکن دورانِ بدکاری اس فعل کو ناممکن بنانے کی کوشش کرنا خصوصاً میاں بیوی کے لئے اور عموماً تمام لوگوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ موقف اپنی ذات کے دفاع یا نہی عن المنکر کے اسلامی تصور کی بنا پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسا قتل بذاتِ خود ہی جرم نہیں بلکہ دراصل ایک سنگین جرم کا ردِّ عمل ہے اور قرآنِ کریم کا حکم ہے کہ ''تم پر جو زیادتی کرے تو اس کی زیادتی کا ویسے ہی اسے جواب دو۔'' اور اس سلسلے میں حکومت سے مدد لینے کو بھی ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

② اگرچہ دورانِ فعل بدکاری میں شریک مردوزن کو نہ روکنے کا موقف کسی اہل علم نے نہیں اپنایا، اس کے باوجود اگر نبی کریمؐ کے فرمان کا یہی تقاضا فرض کرلیا جائے تو ایسی صورت میں اس جرم کی سزا کے بارے میں تفصیل ہے۔ گویا ایسا کرنا تو نہیں چاہئے اور حکومت سے ایسے مجرمین کو سزا دلوانا چاہئے لیکن اگر کوئی غیرت وحمیت میں قتل کردے تو اس کو کیا سزا دی جائے؟ یہی سوال تب بھی پیدا ہوتا ہے جب ایک قاتل وقوعہ بدکاری کے بعد مرتکبین زنا کو قتل کردے۔ فقہا کا متفقہ موقف یہ ہے کہ قاتل اگر شادی شدہ مقتولین کا بدکاری میں ملوث ہونا ثابت کردے تو ایسی صورت میں اس کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا دی جائے گی، نہ کہ قتل کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جس کو قتل کیا، وہ اسلامی قانون کی نظر میں بھی قابل گردن زدنی ہی تھا۔ ایسے ہی زنا کی صورت میں اس کے حق میں دست درازی ہوئی تھی اور قصاص لینا دراصل اُسی قاتل کا حق تھا، جس کے لئے اسے عدالت سے ہی مدد لینا چاہئے تھی۔

© rasailojaraid.com

۳ اس سلسلے میں تیسرا موقف حنابلہ کا ہے جس میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ بھی شامل ہیں۔ ان کی نظر میں یہاں مسئلہ قاتل کو حملہ آور سے دفاع کا مسئلہ درپیش نہیں بلکہ کسی مسلمان کی عزت میں دخل اندازی کرنے والے کی سزا ہی یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس موقف کے شریعت سے اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو آگے تفصیل سے آرہے ہیں۔

۴ جدید قانونی تصور کی رو سے ایسا قتل جو اشتعال کی حالت میں بے قابو ہوتے ہوئے سرزد ہو جائے تو اس کو ارادتاً قتل کی بجائے قتل خطا سمجھا جائے کیونکہ اس میں قاتل کا عزم شامل نہیں تھا۔ یہی قانون اس وقت متعدد اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں نافذ العمل ہے اور امریکہ و یورپ میں فوری اشتعال کے مجرموں کو خصوصی رعایت دی جاتی ہے جس پر اسلامی ممالک اور یورپی عدالتوں کے کئی فیصلے شاہد ہیں۔

آئندہ صفحات میں ان چاروں موقفوں کے دلائل اور تصورات کو بالتفصیل زیر بحث لایا جائے گا۔ پہلے اور تیسرے موقف والوں کے یہ نکتہ نظر اپنانے کی وجہ نبی کریم کی سابقہ احادیث کے مفہوم میں اختلاف ہونا ہے۔ البتہ دوسرا موقف بھی جرم وسزا کے حوالے سے انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ان چاروں موقفوں میں یہ امر مشترک ہے کہ سب وقوعہ بدکاری کے ثبوت کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں، اور اسی صورت میں قتل کو بدکاری کا ردعمل سمجھ کر قاتل کو رعایت دیتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کسی لفظ کا عام مطلب اس کے مخصوص اصطلاحی مفہوم سے جدا ہوتا ہے۔ قتل عمد جرم وسزا کی ایک اصطلاح ہے لیکن ہمارے پیش نظر مسئلہ میں اکثر لوگوں نے اس لفظ کے درست استعمال اور مفہوم میں غلطی کھائی ہے۔ جس طرح ہر گواہ کو گواہ ہی کہا جاتا ہے چاہے وہ سچا ہو یا جھوٹا، اس طرح ارادے سے کیا جانے والا ہر قتل امر واقعہ کے اعتبار سے تو قتل عمد ہی ہے، ان میں جنگ میں مقابل کو قتل کرنا اور قاضی کے حکم پر مجرم کو قتل کرنا بھی شامل ہے لیکن اگر اس کو سزا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی سزا قتل عمد والی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اس جرم کی نوعیت وہ نہیں جو بظاہر قتل کی صورت میں نظر آرہی ہے۔ عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم کے فرامین سے نہ تو غیرت کے جرائم اور قتل کی حوصلہ افزائی ہو اور نہ ہی بدکاری یا بے راہ روی کرنے والوں کو اجازت یا عوامی روک ٹوک سے تحفظ کا کھلا لائسنس مل جائے۔ ایسے ہی اسلام غیرت کے قتل کے بارے میں جرمِ قتل اور غیرت دونوں کو اہمیت دیتا ہے، نہ تو غیرت کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ جرمِ قتل کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس جرم کی روک تھام کے لیے حسبِ ذیل تدریجی مراحل ہیں:

© rasailojaraid.com

پہلا مرحلہ

ایسے حالات پیش آنے کی صورت میں شوہر کا فرض ہے کہ اس برائی کو اپنے مختلف انتظامی اختیارات سے روکنے کی کوشش کرے کیونکہ جس طرح اسلام برائی کو پھیلانے اور سربازار اپنی اور اپنی بیوی کی عزت رسوا کرنے کی حمایت نہیں کرتا اسی طرح مسلمانوں کو اُن طریقوں کو اپنانے کا پابند کرتا ہے جن سے زنا کے امکانات بھی معدوم ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں زنا سے پرہیز کرنے کی بجائے اس کے قریب پھٹکنے سے بھی مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔(الاسراء:۳۲)

❀ اس کی دلیل اوپر بیان کردہ حضرت عویمر عجلانی ؓ کا واقعہ ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریمؐ نے اس واقعہ کو ناپسند فرمایا اور جواب دینے سے گریز کیا، حتیٰ کہ جب حضرت عویمر ؓ نے اس بارے میں اصرار کیا تو آپؐ نے اُنہیں 'لعان' کا طریقہ بتایا، جبکہ لعان کی آیات آپؐ پر اُس سے قبل ہلال بن اُمیہ ؓ کے واقعہ میں نازل ہو چکی تھیں۔

ایسے ہی ماعز بن مالک ؓ کا واقعہ ہے جنہیں نبیؐ نے بار بار زنا کا اعتراف کرنے پر رجم کی سزا تو دی، لیکن شروع میں اس کے اوّلین تین اعترافوں کو نظر انداز کرتے رہے۔(مسلم:۴۴۰۶)

یہ نظر انداز کرنا خصوصاً زنا سے متعلق معاملات میں ہے، کیونکہ اُس کے تذکرے سے بھی بے حیائی کو فروغ حاصل ہوتا ہے، جب اس برائی کا علم ایک دو افراد کو ہی ہو تب تو اس کو چھپانا اور دیگر ذرائع سے کنٹرول کرنا بہتر ہے، اگر یہ بدکاری متعدد لوگوں کے علم میں آجائے تو ایسی صورت میں اس کو چھپانا اور اسلامی عدالت سے بچانا گویا بدکاری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ ایسے ہی جب مسئلہ عدالت میں پیش ہو جائے تب تو گواہی کو چھپانا ایکسنگین جرم ہے۔

❀ اس کی اہم دلیل نبی ﷺ کا یہ صریح فرمان ہے جسے ابن عباس ؓ نے روایت کیا ہے:

''ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میری بیوی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی (یعنی اس کے کردار کے بارے میں شکایت کی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو (طلاق دے کر) الگ کردے۔ اس نے کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اُسی☆ سے نباہ کر۔'' (صحیح سنن ابوداود: ۱۸۰۴)

☆اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بے غیرتی میں بیوی کے بارے میں شکوک و شبہات کو نظر انداز بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لیے آپ نے 'طلاق' جیسے مکروہ اقدام کرنے کو کہا لیکن جب اس نے اپنی مجبوری بتائی تو پھر کمزور ترین رویہ اختیار کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

دوسرا مرحلہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو واضح طور پر گناہ میں ملوث پائے اور انتظامی اقدامات سے بیوی کو کنٹرول کرنے کی قدرت نہ رکھے تو ایسی صورت میں برائی کی روک تھام کے لئے لعان کا راستہ موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عویمرؓ نے اسی مخمصے کا نبی کریمؐ کے سامنے اظہار کیا

''اگر وہ بات کرتا ہے تو یہ بہت بڑا الزام ہے اور آپ لوگ اسے (ثابت نہ کرنے پر قذف کی) سزا دیں گے اور اگر خاموش رہے تو گویا وہ ایک سنگین معاملہ کو نظر انداز کر رہا ہے کیا وہ اس آدمی کو قتل کردے؟'' (صحیح مسلم :۲۶۷۳ اور صحیح سنن ابوداود : ۱۹۷۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت نے اس سلسلے میں لعان کا راستہ دکھا کر گویا اس کا ایک مکمل حل پیش کردیا ہے، لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ اوّل تو 'لعان' صرف میاں بیوی کے درمیان ہوسکتا ہے، جبکہ غیرت کے جرائم صرف میاں بیوی کے مابین ہی نہیں ہوتے بلکہ بھائی بھی اپنی بہن یا باپ بھی بیٹی پر غیرت کھا سکتا ہے۔ شوہر تو طلاق دے کر اپنا تعلق توڑ سکتا ہے، لیکن بھائی اور باپ اس تعلق کو ختم کرنے پر بھی قادر نہیں، اس لئے بعض صورتوں میں یہ شوہر کے بجائے دوسرے محرم رشتہ داروں کے لئے زیادہ سنگین مسئلہ بن جاتا ہے۔

ثانیاً: 'لعان' کی صورت میں بھی عورت چونکہ سزا سے بچ جاتی ہے اور اُلٹا اس مرد کی عزت جس نے بیوی کو اپنی آنکھوں سے زنا میں ملوث پایا ہے، معاشرے میں اُچھلتی ہے کیونکہ کسی خاندان کی عزت کا تصور عورت کی بجائے مرد سے وابستہ ہوتا ہے۔ بیوی کو چھوڑنے کا جو حق اسے طلاق کی صورت پہلے میسر تھا، اس میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ پھر حق مہر کی واپسی کا مطالبہ بھی شوہر نہیں کرسکتا۔ اس لئے 'لعان' تو صرف ایک رستہ ہے اس حمل یا اس بچہ کی ذمہ داری سے بچنے کا جو اس کے ذمے پڑ رہا ہے وگرنہ 'لعان' اس تمام تر مسئلے کا مکمل حل نہیں ہے۔

دورِ نبویؐ میں بھی لعان کے ایک واقعہ میں عورت کا زنا بالکل واضح ہوگیا تھا اور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ''اگر میں نے گواہ کے بغیر کسی کو سزا دینا ہوتی تو اس عورت کو دیتا۔'' لیکن چونکہ اس عورت نے اپنے قبیلہ کو رسوائی سے بچانے کی خاطر قسمیں اُٹھا لیں، اس لیے اُس سے یہ سزاے رجم رفع ہوگئی۔ بعد کے ادوار میں جب نیکی اور صداقت کا وہ معیار نہ رہا تو عملاً لعان پر عمل بہت کم ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی عدالتی تاریخ میں لعان کے واقعات شاذ و نادر ہی ملتے ہیں حتیٰ کے 'خلفاراشدین کے فیصلوں پر مبنی کتاب' میں عنوان قائم کرنے کے بعد اس کتاب کا مؤلف لعان کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں کرسکا۔ (دیکھئے: ص ۲۵۹) اور موجودہ حالات میں

© rasailojaraid.com

اب نہ تو اسلامی عدالتیں رہیں اور نہ نیکی اور تقویٰ کا وہ معیار باقی رہا۔ اس لیے ہمیں اس امر سے اتفاق نہیں کہ لعان ہی اس مسئلہ کا موزوں اور مکمل حل ہے۔ پاکستانی عدالتیں بھی لعان کی تائید اسی لئے کرتی ہیں کہ اس سے عورت سے سزا رفع ہو جاتی ہے۔

تیسرا مرحلہ دورانِ بدکاری

اس صورت کا تعلق بدکاری کے وقوعہ کے دوران سے ہے، جب بدکاری کا فعل ہو رہا ہو تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ مصر کے معروف اسلامی ماہر قانون جسٹس عبد القادر عودہ شہید نے ایسی برائی کو روکنے کی دو صورتیں پیش کی ہیں، اس سلسلے میں تفصیلی بحث کے لئے ان کی کتاب التشریع الجنائی الإسلامی کا اُردو ترجمہ 'اسلام کا فوجداری قانون' (جلد اوّل، صفحہ ۵۶۵ تا ۶۰۸) کا مطالعہ مفید ہو گا۔

❁ حملہ آور سے دفاع: مختلف قرائن سے اس امر کا پتہ چلے کہ عورت اس فعل بد کے لئے راضی نہیں تھی بلکہ اس کی کمزوری کا فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کا خود اپنی ذات کا دفاع کرنا یا شوہر پر اپنی بیوی کا دفاع کرنا دونوں شریعت کی رو سے واجب ہیں۔ اس دفاع کے دوران اگر عورت یا شوہر کے ہاتھوں زنا بالجبر کا مرتکب حملہ آور قتل بھی ہو جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ ایسے حملہ آور کے قاتل کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دفاعی اقدام کو ثابت کرے۔

اس کی شرط یہ ہے کہ یہ دورانِ بدکاری یا بعض اوقات اس سے عین قبل اس کو روکنے کے لئے اُٹھایا جاتا ہے، نہ کہ بدکاری کا وقوعہ ہو جانے کے بعد۔ ایسے ہی برائی کو روکتے یا دفاع کرتے ہوئے حملہ آور کو بعض اوقات سنگین ترین نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن روکنے کی کوشش میں مقتول کے معصوم نہ ہونے کی بنا پر اس کا خون کلی رائیگاں جاتا ہے۔ قتل غیرت میں بعض اوقات جارح مرد کے قتل ہو جانے کا تعلق اسی صورت سے ہے۔☆

☆ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیرت کے نام پر سنگین اقدام میں رعایت کا اصل فائدہ عورت کو ہی پہنچتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں عورت کو غیر مردوں سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے اور مرد ان کے تحفظ و دفاع کے پابند ہوتے ہیں۔ لیکن دراصل جس قتل غیرت سے این جی اوز مردوں کو روکنا چاہتی ہیں، اس سے مراد عورت کی رضامندی والا جرم ہے کیونکہ جبر کی صورت میں جارح مرد کو سنگین سزا دینے سے اُنہیں بھی اختلاف نہیں۔ تو ایسی صورت میں عورت کی رضامندی سے ہونیوالے اس فعل بدکاری کو کیونکر قانونی تحفظ حاصل ہو جبکہ یہ بھی اِسی طرح ایک جرم ہی ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ مغرب زدہ خواتین اپنے اوپر مرد حضرات کی برتر انتظامی نگرانی اور اپنے کوتاہیوں پر گرفت کی اجازت چھین کر انگریزی قانون کی پروردہ عدالتوں کو دینا چاہتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

برائی کو روکنے کا یہ طریقہ صرف غیرت کے قتل کے بارے میں ہی نہیں بلکہ دیگر جرائم کے بارے میں بھی ہے۔ اس صورت میں یہ بات بھی عائد نہیں ہوتی کہ قاتل نے قانون کو ہاتھ میں کیوں لیا ہے، کیوں کہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی بجائے یہاں اصل مسئلہ برائی کو انجام پانے سے روکنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«من قتل دون ماله فهو شهيد، من قتل دون أهله فهو شهيد»

"جو انسان اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا یا اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا، وہ شہید ہے۔" (ترمذی:۱۴۲۱) اور 'اہل' کی حفاظت میں اسکے تمام حقوق کی حفاظت شامل ہے۔

مزید برآں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«الدار حرم فمن دخل علی حرمک فاقتله» (مسند احمد:۲۲۲۶۶)

"گھر حرم ہے جو شخص تمہارے حرم میں داخل ہو، اس کو قتل کردو۔"

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی کتاب الفقه الإسلامي وأدلته (۵/۷۵۹) میں لکھتے ہیں:

"فقہاءِ اربعہ (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنی جان مال آبرو کی حفاظت کے لئے قتل تک کردے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا۔"

(حاشیہ ابن عابدین:۶/۵۴۶، المغنی:۱۰/۳۵۱ تا ۳۵۳، مغنی المحتاج:۴/۱۹۴)

❁ **برائی سے دفاع نهي عن المنكر:** اگر بدکاری میں دونوں فریقین راضی ہوں تو یہ امر بھی ان کو عوامی روک ٹوک سے حفاظت عطا نہیں کرتا۔ چنانچہ بیوی یا عورت کی رضامندی کی صورت میں ہونے والی بدکاری کو روکنا بھی ہر مسلمان پر نهي عن المنكر کی رو سے لازمی ہے۔ نہی عن المنکر ایک طرف عدالت یا حکومت کی بجائے ہر مسلمان کا فرض ہے تو دوسری طرف اس کے تین مراحل (ہاتھ، زبان اور دل) بھی احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ بعض علمانے اس روکنے میں تدریج کا بھی لحاظ کیا ہے کہ پہلے پہل اس کو شور شرابے سے روکنا چاہیے، پھر مار پیٹ سے حتیٰ کہ پھر بھی اگر وہ جرم سے باز نہ آئے اور قتل تک بھی نوبت پہنچ جائے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ اس سلسلے میں حنفی فقہا کا موقف یہ ہے کہ

رأی رجلا یزني بامرأته أو بامرأة رجل آخر وهو محصن فصاح به ولم یهرب ولم یمتنع من الزنا حل لهذا الرجل قتله وإن قتله فلا قصاص علیه

"کوئی شادی شدہ شخص اس کی یا دوسرے کی بیوی سے زنا کر رہا ہے اور آدمی کی چیخ پکار کے باوجود نہ تو زنا سے باز آتا ہے اور نہ بھاگتا ہے تو اس آدمی کے لئے ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے، اگر وہ اسے قتل کردے تو اس پر کوئی قصاص نہیں۔" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۵/۴۴)

◉ یہی موقف شافعی فقہ کی مغنی المحتاج میں مصنف نے اختیار کیا ہے۔ (۵/۵۳۰)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

◉ ہر مسلمان پر ایسی برائی کو روکنا فرض ہے۔ حنفی فقہ کی کتاب 'کنز الدقائق' میں ہے

وفي المجتبیٰ: الأصل في كل شخص إذا رأى مسلما يزني أن يحل له قتله وإنما يمتنع خوفًا أن يقتله ولا يصدق في أنه زنى وعلىٰ هذا القياس المكابرة بالظلم وقطاع الطريق ... لكل مسلم إقامته حال مباشرة المعصية وأما بعد الفراغ منها فليس ذلک لغير الحاکم ... إن عزّره بعد الفراغ منها فيه إشارة إلى أنه لو عزّره حال كونه مشغولا بالفاحشة فلهٗ ذلک وإنه حسن لأن ذلک **نهي عن المنكر** وكل واحد مأمور به وبعد الفراغ ليس بنهي عن المنكر لأن النهي عما مضٰى (كنز الدقائق:۵/۴۵)

''اُصولی بات یہی ہے کہ بدکاری کرتے ہوئے مسلمان کو قتل کرنا ہر شخص کے لئے جائز ہے، البتہ اگر اسے اس امر کا اندیشہ ہو کہ وہ اس بدکاری کا ثبوت پیش نہیں کرسکے گا تو ایسی صورت میں اس کے لئے (مصلحتاً) یہ قتل ممنوع ہے...... اس طرح کا معاملہ جرات سے ظلم کرنے والوں اور راہزنوں وغیرہ سے بھی کیا جاسکتا ہے...... ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ معصیت کے وقت اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے، البتہ وقوعہ کے بعد اس (کی سزا) کا اختیار صرف حاکم وقت کے پاس ہے کیونکہ اگر تو کوئی شخص مجرم کو بوقتِ جرم روکنے کے لئے انتہائی قدام کرتا ہے تو اس وقت تو یہ درست ہے اور نہی عن المنکر کی بناپر نیکی کا کام شمار ہوگا، لیکن وقوعہ کے بعد نہی منکر کا معاملہ تو ختم ہو گیا۔''

◉ جسٹس عبدالقادر عودہ شہیدؒ لکھتے ہیں:

''مال کی مدافعت کو بیشتر فقہا جائز کہتے ہیں، البتہ عزت پر حملے کی صورت میں تمام فقہا کے نزدیک مدافعت فرض ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت کی عزت یا مال کرنا چاہے اور وہ عورت اس شخص کو قتل کرکے اپنا دفاع کرسکتی ہو تو اگر اس کے لئے ممکن ہے تو اس پر اس شخص کا قتل کرنا فرض ہے۔ کیونکہ اپنے اوپر دوسرے کو قدرت دینا اس عورت کے لئے حرام ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص دیکھے کہ کوئی آدمی زنا کررہا ہے یا زنا کی کوشش کررہا ہے اور وہ شخص اس کو قتل کئے بغیر باز نہیں رکھ سکتا تو اگر اس کے لئے اسے قتل کردینا ممکن ہو تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔'' (اسلام کا فوجداری قانون: ج ۱ رص ۵۶۶)

◉ نہی عن المنکر کی حیثیت اسلامی معاشرے میں مستحب یا فرضِ کفایہ کی بجائے

''ایک فرض کی ہے، جس کی ادائیگی بہر صورت ضروری ہے...... جمہور فقہا کے مطابق نہی منکر تمام افرادِ معاشرہ کے لئے لازمی ہے...... بقول جمہور فقہا: اس کام کے لئے حاکم کی اجازت یا تعیناتی بھی ضروری نہیں۔'' (اسلام کا فوجداری قانون: ۱/۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۵)

◉ شیعہ کا ایک معتدل فرقہ 'زیدیہ' کہلاتا ہے جن کی بڑی تعداد یمن میں آباد ہے۔ 'ہادویہ'

© rasailojaraid.com

اسی فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ان کے نزدیک

وعند الهادوية أنه يجوز للرجل أن يقتل من وجده مع زوجته وأمته وولده حال الفعل وأما بعده فيقاد به إن كان بكرا (نیل الاوطار:۶/۳۱۹)

''جب کوئی شخص دورانِ بدکاری اپنی بیوی یا لونڈی کو رنگے ہاتھوں پکڑلے تو ایسی صورت میں اس کے لئے قتل کرنا جائز ہے، لیکن بدکاری کے وقوعہ کے بعد اگر وہ ایسا کرے تو مقتول کے کنوارہ ہونے کی صورت میں اس کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔''

◉ 'کنزالدقائق' میں ہی ہے کہ ہندوانی سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو ملوث دیکھتا ہے کہ شوہر کے لئے اس آدمی کو قتل کرنا جائز ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا:

إن كان يعلم أنه ينزجر بالصياح والضرب بما دون السلاح لا وإن كان يعلم أنه لاينزجر إلا بالقتل حل له القتل وإن طاوعه المرأة حل له قتلها أيضًا وفي **المنية** رأىٰ رجلا مع امرأته وهو يزني بها أو مع محرمه وهما مطاوعتان قتل الرجل والمراة جميعًا (کنزالدقائق:۵/۴۵)

''اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ چیخ وپکار یا اسلحہ کے بغیر مار پیٹ سے مجرم بھاگ جائے گا تو اس صورت میں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔البتہ ایسے مجرم کے باز آجانے کا امکان نہ ہو تو تب اسی کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت بھی خوشی سے اس مجرم کے ساتھ شریک تھی تو مرد کا اس عورت کو بھی قتل کرنا درست ہے۔اور حنفی فقہ کی مشہور کتاب منية المصلي میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی یا اپنی محرم عورت کے ساتھ کسی آدمی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ دونوں اس بدکاری میں برضاورغبت شریک تھے تو اس مرد نے زانی وزانیہ دونوں کو قتل کردیا۔''

◉ ڈاکٹر وہبہ زحیلی فقہا کے تمام مذاہب کا خلاصہ لکھتے ہیں:

لا قصاص ولا دية في المذاهب الأربعة على من وجد رجلا يزني بامراته فقتله لما روي عن عمر (الفقہ الاسلامی:ص ۵/۷۵۹)

''مسالکِ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بیوی سے زنا کرنے والے کو قتل کرنے پر قاتل سے کوئی قصاص ودیت نہیں جیسا کہ اس کی دلیل حضرت عمر کا واقعہ ہے۔'' جو آگے آرہا ہے

ان فقہی اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اس تغییر منکر کے نہ صرف بیوی اور شوہر بلکہ تمام مسلمان مخاطب ہیں۔جب بیوی مجبور ہو تو یہ اقدام دفاع کی قبیل سے اور جب بیوی راضی ہو تو یہ اقدام نهي عن المنكر کی قبیل سے ہوگا۔(اسلام کا فوجداری قانون:۱/۶۰۷)

☞ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورت کی رضامندی کی صورت میں جارح مرد کا گھر میں داخل ہونا حرم میں زیادتی نہیں بنتا کیونکہ اس کی بنیاد تو گھر والی کی رضامندی ہے۔لیکن یہ

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

بات درست نہیں کیونکہ اسلام کی روسے گھر میں کسی آدمی کو داخلہ کی اجازت دینا صرف مرد کا حق ہے اور عورت یہ حق اس کی مرضی اور تابعداری میں ہی استعمال کرنے کی مجاز ہے۔ اس سلسلے میں امّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ ؓ بنتِ ابی سفیان کا مشہور واقعہ دلیل ہے جس میں اُمّ المومنین نے اپنے باپ ابوسفیان کی آمد پر، ان کے نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھتے ہوئے بستر لپیٹ لیا اور کہا کہ میں نبی ﷺ کے بستر پر کسی مشرک کا بیٹھنا گوارا نہیں کرتی۔ جب اُمّ لمومنین نے یہ واقعہ نبیؐ کو آنے پر بتلایا تو آپؐ نے جواباً کچھ نہ کہا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۴/۵۵)

ایسے ہی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :

«ولکم علیهن أن لا یوطئن فُرُشکم أحدًا تکرهونه» (صحیح مسلم)

''اُن (بیویوں پر) پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے گھر میں ان لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو......''

☜ دفاع اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں جسٹس عبدالقادر عودہ شہیدؒ نے متعدد بحثیں کی ہیں جن میں سے اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

- دفاع کے لئے یہی ضروری ہے کہ حملہ کا تصور ظن غالب کے درجے میں ہو، نہ کہ وہ زیادتی بالفعل موجود ہو۔ (صفحہ ۵۷۳)
- دفاع کے تقاضے میں کئے گئے افعال مباح ہیں، ان پر کوئی سزا نہیں۔ (صفحہ: ۱/ ۵۸۰)
- حملہ آور کے دفاع کیلئے کوئی اور ممکن وسیلہ موجود نہ ہو۔ بالفرض حملہ آور کو چیخ و پکار کرکے روکا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں اسے قتل کرنا درست نہیں۔ (حاشیہ ابن عابدین: ۵/ ۴۸۲) مدافعت اسی قدر قوت سے ہو، جس قدر قوت زیادتی کو روکنے کیلئے ناگزیر ہے۔ (صفحہ ۵۷۵)

''اگر مدافعت لاٹھی سے ممکن تھی مگر اس نے ہاتھ پیر کاٹ دیا تو تاوان لازم آئے گا۔'' (۵۷۶)

- ''جارحیت اور دفاع باہم مربوط ہیں۔ جارحیت کے خاتمے کے بعد دفاعی قدم کا کوئی تصور نہیں اور اس پر وہ مسئول ہوگا، البتہ اگر کوئی چور مال لے کر بھاگ جائے تو دفاع کرنے والے تعاقب کرکے اس سے مال واپس چھین سکتا ہے، جس کے لئے اسے قتل بھی کرنا پڑے تو جائز ہوگا۔'' (ایضاً، ص: ۵۸۰ بحوالہ حاشیہ ابن عابدین: ۵/ ۲۷۴)

محرم عورت کی جبراً یا اس کی رضامندی سے عصمت دری کرکے بھاگ جانے والے شخص کو قتل کرنا اس بدکاری کو واپس تو نہیں لاتا، البتہ اس میں سماجی سطح پر مرد کی ناموس کو قدرے بہتر مقام حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اس سے بھی اصل بدکاری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسے جارح کو قتل کرنا حد سے بڑھے جذبہ غیرت کی بنا پر ہے جس کی شرع میں حمایت نہیں

© rasailojaraid.com

پائی جاتی۔ ہمارے ہاں ایسے جرائم کی وجہ دراصل یہ ہے کہ غیر اسلامی قانون کی بنا پر مجرم کو قرار واقعی سزا ملنے یا جلدی مقدمہ نمٹنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایسا جارح مردنہ صرف متاثرین کے لئے ایک چیلنج بلکہ برائی کا ایک اشتہار بھی بنا رہتا ہے۔

دفاع اور نہي عن المنكر کے تصورات بالکل جداگانہ نہیں بلکہ اپنی ذات سے دفاع کے تصور میں بھی بیوی یا شوہر کا یہ نظریہ شامل ہے کہ چونکہ یہ برائی ہے، اس لئے اس کو انجام پانے سے روکا جائے گویا یہ برائی سے دفاع ہے۔ دورِ صحابہ ؓ میں ایسے کئی واقعات پیش آئے اور انہوں نے بھی یہی فیصلے کیے، چنانچہ مذکورہ فقہی موقفوں کی بنیاد یہی واقعات ہیں۔

دفاع یا نہی عن المنکر میں قتل کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

1 عورت کا اپنے دفاع میں حملہ آور کو قتل کر دینا خلفائے اربعہ ؓ کے دور میں ایسے بعض واقعات پیش آئے اور انہوں نے مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا۔ یہ واقعات حسبِ ذیل ہیں:

① عبداللہ بن عمیر سے مروی ہے کہ "ایک شخص نے قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اپنی باندی کو لکڑیاں کاٹنے کے لئے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک مہمان کو وہ پسند آ گئی اور وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کی عصمت لوٹنے کا طلب گار ہوا، لیکن اس باندی نے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر ان میں کشمکش ہوتی رہی پھر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہو گئی اور اس نے ایک پتھر اُٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور انہیں سارا واقعہ سنایا، اس کے گھر والے اسے حضرت عمر ؓ کے پاس لے کر گئے اور آپ ؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر ؓ نے معاملہ کی تحقیق کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا اور انہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھے جس سے دونوں میں کشمکش کا ثبوت ملتا تھا، تب حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اللہ نے جسے مارا ہے، اس کی دیت نہیں دی جا سکتی۔" (مصنف عبدالرزاق: ۴۳۵۹، المحلی: ۲۵۸، سنن بیہقی: ۳۳۷ و أقضية الخلفاء الراشدين: ۵۷۸، فقہِ عمر: ۲۱۳)

② لیث بن سعد ؓ بتاتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر ؓ کے پاس ایک مردہ اَمرد (بھیگی مسوں والا) لڑکا لایا گیا جو راستے کے ایک طرف مرا ہوا پایا گیا تھا۔ ایک سال تک حضرت عمر ؓ اس مقتول کے قاتل کا پتہ لگاتے اور اللہ سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اُسی مقام پر سال بعد ایک نومولود پڑا ہوا ملا تو حضرت عمر ؓ کو شک پیدا ہوا۔ تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ ایک انصاری صحابی کی بیٹی اس کی ماں ہے۔ آپ ؓ نے اس عورت سے تفتیش کی تو اس نے بتایا کہ دھوکے سے وہ

© rasailojaraid.com

مقتول لڑکا میری عزت پر حملہ آور ہوا تو میں نے موقع پر ہی اس کو قتل کر دیا، اسی کا یہ بچہ ہے جو میں نے مقتول کی جگہ پر پھینکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کی تعریف کی اور اس کے باپ کے سامنے بیٹی کی نیکی اور صداقت کی گواہی دی اور واپس چلے آئے۔ (مختصراً)

(مسند الفاروق:۲/۵۶۴، الطرق الحکمیہ: ص ۴۰ و تاریخ عمر: ص ۹۷)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اس امر پر سب فقہا کا اتفاق ہے کہ عورت کو اپنا دفاع ضرور کرنا چاہئے، کیونکہ ایک غیر مرد کے ہاتھ چڑھنا اس کے لئے حرام ہے۔ **ولها قتل الرجل المكره ولو قتله كان دمه هدراً** پھر عورت زبردستی کرنیوالے کو قتل بھی کر سکتی ہے، اور یہ قتل رائیگاں جائے گا۔''

(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۷۵۹ بحوالہ الدر المختار:۳/۱۹۷، بدایۃ المجتہد:۲/۳۱۹ وغیرہ)

۲ شوہر کا اپنی بیوی کا دفاع کرنا: شوہر اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو شریکِ بد کاری دیکھے اور اسے قرائن سے زیادتی کا اندازہ ہو جائے تو شوہر پر اس کا دفاع کرنا واجب ہے۔

❀ حضرت زبیر بن عوامؓ ایک لشکر کے ساتھ جا رہے تھے کہ کسی وجہ سے لشکر کے پیچھے رہ گئے، راستے میں انہیں دو آدمی ملے اور ان سے کھانے کو مانگا۔ حضرت زبیرؓ نے جو کچھ تھا، اُنہیں دے دیا، اس کے بعد وہ کہنے لگے: لونڈی ہمارے حوالے کر دو۔ یہ سن کر حضرت زبیر نے اُنہیں تلوار ماری اور دو ٹکڑے کر دیا۔ (المغنی:۱۱/۴۶۲) ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''**ولو بالقتل إن امكنه الدفاع ولم يخف على نفسه** شوہر کا فرض ہے کہ اپنی بیوی کے دفاع کی ہر ممکن کوشش کرے جس کیلئے اس کو قتل بھی کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے۔''

(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۷۵۹ بحوالہ الدر المختار:۳/۱۹۷، بدایۃ المجتہد:۲/۳۱۹ وغیرہ)

اگر بیوی بھی اس جرم میں شریک ہو تب بھی شوہر کے لیے عزت کا دفاع کرنا مشروع ہے۔ اگر شوہر اپنے حرم اور نطفہ میں اختلاط و شبہ کو بچانے کے لیے وقوعہ کے دوران اس فعل سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے قتل کی نوبت آتی ہے تو شوہر کا یہ فعل شریعت کی نظر میں گوارا ہے۔ کویت کے فقہی انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

''**وإنما شرعت الغيرة لحفظ الأنساب وهو من مقاصد الشريعة ولو تسامح الناس بذلك لاختلطت الأنساب لذا قيل: كل أمة وضعت الغيرة في رجالها ... ومن لا يغار على أهله ومحارمه يسمى ديوثا والدياثة من الرذائل التي ورد فيها وعيد شديد ... «ثلاثة لا ينظر الله إليهم يوم القيامة: والديوث»**'' (الموسوعة الفقهية:۳۱/۳۴۱)

''شریعتِ اسلامیہ میں نسل و نسب کی حفاظت کے لئے غیرت کو ایک مقام دیا گیا ہے۔ اگر

© rasailojaraid.com

لوگ اس میں کوتاہی کرنے لگیں تو ولدیتیں مشتبہ ہو جائیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ ہر اُمت کے مردوں میں غیرت پائی جاتی ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال اور محرم رشتہ داروں کے بارے میں غیرت نہیں کرتا 'دیوث' کہلاتا ہے۔ دیوثیت ایک بدترین خصلت ہے جس کے بارے میں ایک اثر میں شدید وعید آئی ہے: تین لوگوں کی طرف روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نظر تک نہ اٹھائیں گے اور ان میں ایک دیوث ہے۔''

❁ اس سلسلے کا اہم ترین واقعہ ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے

''ایک روز حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا، اس کے ہاتھ میں خون آلود ننگی تلوار تھی۔ وہ آ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ بیٹھ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ پیچھے پیچھے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا: یا امیر المومنین! اسی شخص نے ہمارے آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ یک اور شخص بولا: اس آدمی نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری۔ اگر درمیان میں کوئی تھا تو اسے قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پھر پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری جو اس شخص کی کمر پر لگی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قاتل سے کہا: اگر دوبارہ بھی کوئی ایسے کرے تو یہی حال کرنا۔''

(أقضیۃ الخلفاء الرشدین: ۱/ ۵۸۳، فقہ عمرؓ: ص ۲۱۴، سنن سعید بن منصور)

❸ **مسلمانوں کا دفاع میں شریک ہونا:** نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«أنصر أخاک ظالما أو مظلوما» (بخاری: ۲۴۴۳)

''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہے تو اس کا ہاتھ روک کر۔''

❁ ابو مغیرہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ اکٹھے ہو کر کسی قبیلہ کی ایک عورت کے پاس آئے قبیلہ کے کچھ لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے جا کر اُن لوگوں کو قتل کر دیا۔ اگلے دن ان کے جنازے حضرت علیؓ کے پاس پیش کئے گئے تو آپؓ نے پوچھا: یہ سب لوگ ایک عورت کے گھر میں رات کو اکٹھے ہو کر کیا کرنے گئے تھے؟ واقعہ کی تفصیلات سننے کے بعد آپؓ نے ان لوگوں کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ (الام از شافعی: ۷/ ۱۸۲ واقضیہ الخلفاء الراشدین: ص ۵۸۲)

نہی عن المنکر کی مشروعیت کے تمام دلائل اس امر کی بنیاد ہیں کہ مسلمانوں کو جبر ہونے والی زیادتی میں اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہئے، جہاں تک خوشدلی سے ہونے والے جرم کا تعلق ہے تب بھی مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو انجام پانے سے روکیں۔

❹ **دفاع کرتے ہوئے جرم سے بھی بڑی سزا تک پہنچ جانا:** یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض اوقات دفاع کرتے ہوئے مقتول کو وہ سزا مل جاتی ہے جو اس کی اصل سزا نہیں۔ نبی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کریمؐ کے سامنے ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا جس میں ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ اپنے دانتوں میں دبالیا، ہاتھ کو چھڑانے کی غرض سے اس نے زور سے کھینچا تو زیادتی کرنے والے کے دانت ٹوٹ گئے۔ نبی کریمؐ نے دانت ٹوٹنے کو رائیگاں قرار دیا اور دوسرے پر دانت توڑنے کا قصاص یا کوئی تعزیری سزا عائد نہ کی۔ آپ نے ہاتھ چبانے والے سے فرمایا:

«فيدع يده في فيک تقضمها کما يقضم الفحل؟» (مسند احمد:۱۷۴۸۹)

''کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ باقی رہنے دیتا تا کہ تو اسے سانڈ کی طرح چبا تا رہتا۔''

❁ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گھر میں ایک مرتبہ چور گھس آیا تو آپؓ تلوار لے کر اس کی طرف لپکے۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم آپؓ کو پکڑ نہ لیتے تو لازمی تھا کہ آپ تلوار سے (چور کی گردن) مار دیتے۔

❁ چوری کا مال چور سے بچاتے ہوئے اگر چور مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو گا:

رأى رجلا يسرق ماله فصاح به أو ينقب حائطه أو حائط غيره وهو معروف بالسرقة فصاح ولم يهرب حلَّ قتله (کنزالدقائق:۵/۴۵)

''کسی چور نے مال چوری کرنے کی غرض سے اس کی یا دوسرے کی دیوار میں نقب زنی کی اور یہ چوری واضح تھی، اس آدمی نے چیخ کر اس کو بھگانا چاہا اور وہ نہ بھاگا تو اس کیلئے چور کو قتل کرنا جائز ہے۔'مزید دیکھئے: الموسوعة الفقهية، مادّہ صیال اور الام للشافعی، کتاب الحدود

اس سے یہ پتہ چلتا ہے جب کسی کنوارے مرد یا عورت کو زنا کاری سے روکا جائے یا کوئی کنوارا شخص کسی آدمی کی بہن سے جبر اًبد کاری کا ارتکاب کر رہا ہو تو ایسی صورت میں اس برائی سے روکتے روکتے اگر نوبت قتل تک جا پہنچے تو ایسی صورت میں کنوارے مرد کا قتل رائیگاں ہو گا کیونکہ یہاں مقصد سزا دینا تو ہے ہی نہیں، بلکہ مجرم کا جرم پر اصرار اور دفاع کرنے والے کا جرم کو انجام پانے سے روکنا مقصود ہے۔

اسلامی شریعت اور جدید قانون؛ چند شبہات

جرم کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس کی روک تھام صرف حکومت کی ذمہ داری ہے، درست نہیں۔ اسلام میں جرم کی روک تھام کے لئے ایک مرحلہ دورانِ جرم کا بھی ہے۔ دورانِ جرم مجرم کو روکنا متاثرہ مسلمان کے لئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لئے عموماً فرض ہے۔ البتہ جرم کے بعد اس کی ذمہ داری صرف حکمران کا فرض ہے۔ حملہ آور کے دفاع میں اپنی جان، مال اور عزت کا تحفظ کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے جبکہ نہی عن المنکر میں دوسرے مسلمان بھائی کے ان حقوق کا تحفظ اور دیگر جرائم کی روک تھام بھی شامل ہے۔ بقول جسٹس عودہ شہیدؒ

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

''جدید قانون میں بھی دورانِ فعل روکنے کا یہ تصور موجود ہے لیکن مصری اور فرانسیسی قوانین نے بیسیوں صدی میں آکر اس تصور اور انہی شرائط کو اختیار کیا جو اسلامی فقہا نے کئی صدیاں قبل بیان کردی تھیں۔(۱/۵۶۹، ۵۸۲)

جبکہ نہی منکر کا تصور جدید قانون میں صرف بعض حالات مثلاً بغاوت یا تخریب کاری وغیرہ کی صورت تک محدود رکھا گیا ہے لیکن اسلام میں یہ اُصول تمام جرائم کیلئے موجود ہے۔''(۱/۶۰۹)

دفاع کے اس اسلامی و قانونی تصور...... جس پر خلفاے راشدین نے فیصلے دیے ہیں اور فقہا کرام نے شرعی موقف کے طور پر اسے اختیار کیا ہے..... کو اگر نبی کریمؐ کے حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے مکالمے کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو بظاہر ان میں تضاد نظر آتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے بھی سعد بن عبادہ ؓ کو دورانِ فعل ہی اس بدکاری کے لئے قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ اس ظاہری تضاد کے خاتمے کی کئی صورتیں ہیں:

① اس کی ایک توجیہ تو بعض فقہا نے یہ قرار دی ہے کہ جب قاتل کے لئے اس بدکاری کو ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اس فعل سے باز رہنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی کریمؐ سے سعد ؓ نے پوچھا کہ پھر میں کیا گواہ تلاش کروں؟ تو آپ نے ہاں میں جواب دیا۔ گویا یہ قتل ایسی صورت میں ہی جائز ہے جب اس کا ثبوت قانونی طور پر پیش کیا جانا ممکن ہو ورنہ صرف قاتل کے کہنے پر اس کو بدکاری نہیں مانا جائے گا۔ اس سلسلے میں تمام فقہا ثبوت کو اسی لئے ضروری قرار دیتے ہیں جس کے لئے آگے ثبوت کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

② ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ نبی کریمؐ نے اُنہیں سیدھا قتل کرنے سے تو منع کیا لیکن اُنہیں اس برائی سے دفاع کا حق تو دیگر صریح احادیث کی بنا پر موجود ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی ہے

{ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ }

''جو تم پر زیادتی کا مرتکب ہو تو بھی اس کا بدلہ دو جیسی اس نے تم زیادتی کی ہے۔''

اس توجیہ سے یہ پتہ چلا کہ دفاع یا نہی عن المنکر کی صورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قتل تک جا پہنچنا تدریجاً یا اُس انداز پر ہوتا ہے جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ ایسے جارح مرد و عورت کو پہلے ہلے میں ہی قتل کر دینا درست نہیں۔ بلکہ اس میں تدریج کے ساتھ ساتھ ضرورت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ گویا اس میں قتل کی بجائے برائی کو روکنا اصل مقصود ہے۔

☜ بعض لوگ عورت پر جبر کی صورت میں تو جارح مرد کو قتل تک کرنے کی اجازت دیتے ہیں، البتہ عورت کی بدکاری میں رضامندی کی صورت میں مرد یا عام مسلمانوں کو مرد و زن کو روکنے کا حق نہیں دینا چاہتے۔ جبکہ نبی کریمؐ سے حضرت سعد نے قتل کی اجازت مرد کے

© rasailojaraid.com

بارے میں ہی مانگی تھی، حدیث میں أفاقتلهٗ میں 'ہ' ضمیر سے یہی پتہ چلتا ہے جبکہ مرد تو ہر صورت میں جارح ہی ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرد کو قتل نہ کرنے میں تو صریح ہے اور عورت کی رضامندی یا عدم رضامندی کا اس میں سوال ہی درپیش نہیں۔ اس سے ایسا موقف اپنانے والوں کی غلطی کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں رضامندی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، نکاح کے بغیر جنسی تعلقات زنا ہی ہیں۔

دراصل ایسا سوال حقوقِ نسواں کے موجودہ نعروں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کی رو سے عورت کے حق عزت کی حفاظت تو مرد پر ہونی چاہئے لیکن مرد کے حق عزت...... جس کو رضامند بیوی داغدار کررہی ہے...... کی حفاظت کا نہ تو مرد کو حق حاصل ہے اور نہ ہی اس کے مسلمان بھائیوں کو۔ اس تصور کی اہم وجہ یہ ہے کہ جدید تہذیبوں میں رضامندی کی صورت میں بدکاری کو جرم ہی نہیں سمجھا جاتا۔ ایسے خیالات سے متاثر لوگ مرد وعورت کی رضامندی کی صورت میں اسے عصمت دری کے بجائے صرف 'آزادانہ جنسی تعلقات' سے تعبیر کرتے ہیں۔

☜ قانون دان حلقوں میں مذکورہ بالا تصورِ دفاع اجنبی ہونے کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جدید قانون میں اپنے دفاع کا یا دوسرے شخص کے دفاع میں مدد کرنے کا تصور تو موجود ہے لیکن نہی عن المنکر کو جدید قانون میں صرف حکومتی مقاصد میں دخل اندازی کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے یعنی بغاوت اور تخریب کاری جیسے جرائم میں۔ جب کہ اسلام میں برائی ہر صورت برائی ہی ہے، عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ راضی بزنا مرد وزن کو اس سے روکیں۔ نہی عن منکر کا تصور جدید قانون میں تو نہیں لیکن اسلام میں صریح موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زنا کو اس قدر سنگین جرم نہیں سمجھا جاتا جس کی بنا پر قتل تک کی سزا دینا گوارا ہو جائے۔ جبکہ اسلام میں مسلمان کی عزت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور بدکاری کو غیر معمولی طور پر شنیع فعل قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ شادی شدہ مرد وعورت کا بدکاری میں ملوث ہونا ان کے خون سے عصمتِ دم (پاکیزگی) کو زائل کردیتا ہے جو ہر مسلمان کو اسلام کی حالت میں حاصل رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسٹس عبد القادر عودہ نے ان صورتوں میں جب مسلمان کا خون رائیگاں جاتا ہے 'شادی شدہ شخص کی بدکاری' کو بھی شامل کیا ہے۔ (دیکھئے: ج۱/ص۴۳۸)

چوتھا مرحلہ قتلِ غیرت کی سزا

اسلام میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں اور وقوعہ ہو جانے کے بعد اب یہ حاکم کا کام ہے کہ وہ ان کو سزا دے۔ جو شخص قانون کو خود ہاتھ میں لیتا ہے، وہ مجرم ہے۔ اور اسے

© rasailojaraid.com

اس کی اجازت نہیں کہ بدکاری کے مجرمین کو خود قتل کردے لیکن اگر کوئی شخص اس جرم کا ارتکاب کرلے تو ایسی صورت میں اس کو سزا کیا دی جائے۔ یہ مرحلہ جرم وسزا سے متعلق ہے اور اس میں اسی کے تصورات کے حوالے سے بحث ہوگی۔ دورِنبویؐ اور دورِ صحابہ کرامؓ میں ایسے کئی واقعات پیش آئے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ انہیں کیا سزا دی گئی۔

دورِنبویؐ کے واقعات

پہلا واقعہ تو بدکاری کے بجائے صرف غیرت کھانے پر قتل کرنے کا ہے اور لازمی نہیں کہ انسان صرف بدکاری پر ہی غیرت کھائے بلکہ اس کا اظہار مختلف پس منظروں میں ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا وہ مشہور تاریخی واقعہ ہے جس میں دو آدمیوں کے جھگڑے کا ذکر ہے۔ دربارِ نبوت سے جس (بظاہر) مسلمان کے خلاف فیصلہ ہوا، اس نے اُس فیصلہ کو دل سے قبول نہ کیا اور اپنا فیصلہ پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کے پاس پیش کردیا۔

جب دونوں فریق حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے ان سے نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کی تصدیق کرلی تو آپؓ اندر گئے اور باہر آکر دوبارہ فیصلہ کا تقاضا کرنے والے شخص کو اپنی تلوار سے قتل کردیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچائی گئی تو آپؐ کو حضرت عمرؓ کا یہ فعل ناگوار محسوس ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی بریت پر یہ آیات نازل کردیں کہ

> ''تیرے ربّ کی قسم! یہ لوگ کبھی مسلمان نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپؐ کو فیصل نہ مان لیں۔ بعد میں اس فیصلہ پر ان کے دل میں کوئی تنگی بھی پیدا نہ ہو اور اس کو دل وجان سے تسلیم کریں۔'' (النسائ:۶۵)

چنانچہ اس آدمی کا یہ خون رائیگاں گیا اور حضرت عمرؓ اس قتل سے بری ہوگئے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج۱/ص۷۸۹)

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں (۳/ ۹۹۴) اور دیگر اہل علم نے اس حدیث کو ابن لہیعہ کے طریق سے روایت کیا ہے، لیکن یہ طریق ضعیف ہے۔ البتہ ابومغیرہ اور شعیب بن شعیب کے طرق سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ لہٰذا حافظ ابن کثیر نے ان شواہد کی بناپر اس روایت کو قوی شمار کیا ہے۔ (مسند الفاروق: ۲/ ۸۷۶ بحوالہ اقضیۃ الخلفاء الراشدین: ۲/ ۱۱۸۸)

بعض لوگ اس واقعہ کو توہین رسالت کی سزا کے ضمن میں لاتے ہیں لیکن درحقیقت نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کو قبول نہ کرنا توہین رسالت سے کمتر درجہ کی بات ہے، باوجود اس کے کہ اس میں توہین کا یک گونہ پہلو بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس نوعیت کی توہین کو مستوجب ِسزائے

© rasailojaraid.com

قتل قرار دینا مشکل ہے۔ ہماری نظر میں یہ قتل دراصل حضرت عمرؓ کی غیرت کا نتیجہ ہے۔ یوں بھی توہین رسالت کی صورت میں قانون کو ہاتھ میں لینا کونسا اتفاقی مسئلہ ہے۔

اگر یہ غیرت کا نتیجہ نہ ہو تا بلکہ توہین رسالت کی سزا ہوتی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی ان سے یہی سلوک کرتے جیسا کہ اس روایت کے بعض طرق میں ان لوگوں کا پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

❁ اسی نوعیت کا ایک واقعہ غزوۂ بنی قینقاع کے پس منظر میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس غزوہ کے اسباب میں سے ایک سبب وہ واقعہ بھی تھا جو کتبِ سیرت میں یوں بیان ہوا ہے:

''بنو قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے اپنی دکان میں کسی مسلمان عورت کا کپڑا اس غرض سے باندھ دیا کہ جب وہ اُٹھے تو اس کا ستر کھل جائے، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس عورت نے بدلہ کے لئے مسلمانوں کو پکارا۔ ایک مسلم نوجوان نے غیرت میں آ کر اس یہودی کو قتل کر دیا جس کے نتیجے میں یہود اس پر پل پڑے اور انہوں نے بھی اس مسلم نوجوان کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے یہود اور مسلم کے مابین جنگ چھڑ گئی۔''

(السيرة النبوية في ضوء مصادرها الأصلية: ص۳۷۰)

اس واقعہ کا تعلق بھی غیرت کے ساتھ ہے۔ اگر غیرت کے نام پر قتل کرنے والا مسلمان بھی ویسی ہی سزا کا مستحق تھا جو ایک عام قاتل پر عائد ہوتی ہے تو اس قاتل مسلمان کے بدلے مسلمانوں کو یہود سے لڑائی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ دونوں واقعات دورِ نبویؐ میں پیش آئے اور قاتل نے غیرت پر زد پڑنے کی وجہ سے قانون کو ہاتھ میں لیا، لیکن واقعہ ثابت ہونے پر آپؐ نے قاتل کو سزا نہیں دی یاد رہے کہ یہ بھی عمداً قتل ہی تھا۔ پہلے واقعہ میں آپ کو حضرت عمرؓ کا یہ فعل لاقانونیت کی وجہ سے ناگوار گزرا، لیکن اس بظاہر مسلمان کے ارتداد کی بنا پر حضرت عمر کو رعایت ملی کیونکہ مرتد بذات خود اسلامی قانون کی نظر میں قابل گردن زدنی ہے۔ اور دوسرے واقعہ میں آپؐ نے اس مسلم نوجوان کے خون کے دفاع میں یہود کے ساتھ جنگ کی اور اس قضیہ فیصلہ جنگ نے ہی کیا۔

دورِ صحابہ کرامؓ کے فیصلے

صحابہ کرامؓ کے دور میں اس سے زیادہ واضح واقعات ملتے ہیں جس میں غیرت کے نام پر قتل کرنے والے قاتل کو سزائے موت یا قصاصاً قتل نہیں کیا گیا:

① عبد اللہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جہاد کے لئے روانہ ہونے لگا تو ایک یہودی کو اپنی بیوی کی دیکھ بھال کے لئے کہہ گیا۔ ایک روز ایک مسلمان صبح کی نماز کے لئے

© rasailojaraid.com

جارہا تھا کہ اس نے یہودی کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

''وہ پراگندہ حال شخص جسے اسلام نے میرے بارے میں دھوکہ میں رکھا (اور وہ اپنی بیوی کو میرے پاس چھوڑ گیا) میں ایک ایسی رات میں جب چاند پوری طرح روشن تھا، اس کی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہا۔ میں اس کی بیوی کے ساتھ رنگ رلیاں منارہا ہوں اور وہ [بیوقوف مجاہد] گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر صبح شام کررہا ہے۔ اس کے کولہوں کے مقام اتصال کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ گویا دو لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہورہے ہوں۔''

وہ مسلمان تلوار لے کر گیا اور اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہود اس کے خون کا مطالبہ لے کر آئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اصل واقعہ سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔'' (أقضية الخلفاء الراشدين: ۱/ ۵۸۳ وفقہ عمر: ۲۱۱)

اسی سے ملتے جلتے مزید تین واقعات أقضية الخلفاء الراشدين میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام واقعات کی تخریج بھی وہیں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (دیکھئے: ص ۵۸۴، ۵۸۵)

② حسن بصری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو ملوث پایا تو اس کو قتل کر دیا۔ مقتول کے ورثا یہ معاملہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس لے گئے تو اُنہوں نے اس خون کو باطل اور رائیگاں قرار دیا۔ (المحلّٰی: ۸/ ۲۵۲)

ان واقعات میں خلفاءِ راشدینؓ نے قتل غیرت کے مجرم کو سزا نہیں دی بلکہ مقتول کا جرم ثابت ہونے پر اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام ایسے قتل کے بارے میں جو غیرت کی بنیاد پر ہوا ہے، مجرم کو رعایت دیتا ہے۔ اسلام ایسے مجرم سے جس امر کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس بدکاری کا ثبوت لائے اور اگر ثبوت نہ ملے تب وہ سزاوار ہے۔ فقہا نے اس مسئلہ پر ثبوت کے حوالہ سے ہی بحث کی ہے اور اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ ثبوت بہم پہنچادے تو اس کو قتل کا مجرم نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ بھی عجب بات ہے کہ ثبوت عام طور پر سزا کے عائد کرنے کے لئے ہوتا ہے، لیکن یہاں ثبوت مکمل ہونے سے مجرم سے سزا موقوف کرنا مقصود ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مجرم کی طرف سے اس ثبوت کا مہیا کرنا گویا مقتولین کو جرم میں ملوث ثابت کرنا ہے اور ان کا جرم میں ملوث ہونا اس کے لئے گنجائش پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ قتل دراصل یک اور جرم کا ردّعمل ہے۔

البتہ جہاں ثبوت موجود نہ ہوں وہاں مرد کا فرض ہے کہ وہ شک وشبہ کی بنیاد پر غیرت کھانے کی بجائے مختلف انتظامی اختیارات سے اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اسی سلسلے کا ایک واقعہ ابتدا میں گزر چکا ہے جب نبی کریمؐ نے ایک صحابی کو شک وشبہ کی بنا پر

© rasailojaraid.com

اپنی بیوی کو رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ دیکھیں صفحہ نمبر ۳۵

ہمارے ہاں غیرت کے نام پر قتل کے اکثر واقعات ثبوت کی بجائے شک وشبہ کی بنا پر ہوتے ہیں ،اور شک وشبہ کی بنا پر اسلام قاتل کو کوئی رعایت نہیں دیتا۔ آشنا کے ساتھ لڑکی کے فرار ہونے کے واقعات میں بھی اگر قانون کی نظر میں بدکاری ثابت ہو جائے تب تو قاتل کو سزا میں کوئی رعایت مل سکتی ہے ورنہ صرف یاری دوستی کی بنا پر کوئی عورت یا مرد قتل کا حقدار نہیں بن جاتا۔ سزا میں رعایت کے لئے علما نے جہاں ثبوت کی بحث کی ہے، وہاں یہ بھی ضروری ٹھہرایا ہے کہ مقتولہ یا مقتول کا جرم واقعتا اسی درجہ سنگین ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر کنوارا مرد یا کنواری عورت بدکاری میں مارے جائیں تو ایسی صورت میں بھی عائد ہونے والی سزا سے زیادہ دینے پر قاتل کو تاوان / جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ امام شافعیؒ لکھتے ہیں:

> والرجل ثيب والمرأة غير ثيب فلا شيئ فی الرجل وعليه القود في المرأة ولو كان الرجل غير ثيب والمرأة ثيبًا كان عليه فی الرجل القود ولا شيئ في المرأة (الامّ از امام شافعی:۶/۲۶) ''مفہوم: لازمی ہے کہ ایسا مقتول شادی شدہ ہو۔ مجرم یا مجرمہ کے کنوارا ہونے کی صورت میں قاتل کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔''

اگر مقتول مرد یا عورت بدکاری سے معصوم ہوں تو ایسی صورت میں قاتل کو قصاص ادا کرنا ہوگا۔ یا عورت پر جبر کیا گیا ہو تو تب بھی اس کو قتل کرنے پر قاتل قصاص کا سزاوار ٹھہرے گا۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں:

> ”وإذا وجد رجلاً يزني بامرأته فقتله فلا قصاص عليه ولا دية لما روي أن عمر يتغدى يوما ... وإذا كانت المرأة مطاوعة فلا كان عليه فيها وإن كانت مكرهة فعليها القصاص... الخ“ (المغنی ۸/۳۲۲)
>
> ''جب کوئی شخص کسی آدمی کو اپنی بیوی سے بدکاری میں مشغول پائے اور اس کو قتل کر دے تو ایسی صورت میں قاتل پر کوئی قصاص یا دیت نہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ کا واقعہ اسی پر دلالت کرتا ہے جب آپ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک شخص خون میں لت پت تلوار لے کر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کی رانوں کے درمیان جو دیکھا اُسے تلوار ماردی تو حضرت عمرؓ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔
>
> مزید برآں اگر عورت برضا ورغبت بدکاری میں شریک تھی تو شوہر پر اس کے قتل ہو جانے پر کوئی تاوان نہیں۔ بالفرض وہ عورت مجبور تھی تو شوہر پر قصاص عائد ہوگا۔''

ثبوت نہ دینے کی صورت میں سزا

غیرت کے نام پر جس قتل کے بارے میں قاتل ثبوت نہ دے سکے تو اس کے بارے میں

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

صحابہ کرام کے فیصلے درج ذیل ہیں:

① حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ملک شام میں ابن خیبری نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو دیکھا تو اس نے موقع پانے پر اُنہیں قتل کر دیا۔ جب یہ قصہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو انہیں اس کے فیصلے میں دقت پیش آئی۔ چنانچہ انہوں نے ابو موسیٰ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے یہ فیصلہ کروادیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

''یہ واقعہ ہماری سرزمین میں پیش نہیں آیا، مجھے اس کی پوری تفصیلات بتاؤ۔ تفصیلات کا علم ہونے پر حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر یہ قاتل چار گواہ نہ لائے تو اُسے پوری سزا ملے گی۔''

(موطأ:۲/۷۳۷،۸۳۸ و سنن کبریٰ بیہقی:۸/۲۳۱،۳۳۷ و مصنف عبدالرزاق:۹/۴۳۳)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام شافعی نے بھی اس کو دلیل بنایا ہے۔ (الامّ:۷/۱۸۲)

② ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا کہ آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو ملوث پائے، پھر قتل کر دے، کیا مقتول کا قتل رائیگاں جائے گا؟ تو عطا نے کہا: اس صورت میں ہی جب ثبوت مل جائیں، وگرنہ نہیں۔''

اگلی حدیث میں ایسی ہی بات مجاہدؒ سے بھی منقول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق:۹/۴۳۳)

③ حکم سے مروی ہے کہ عبدِ قیس کا ایک آدمی ایک عورت کے پاس آیا کرتا تھا۔ عورت کے خاوند نے اس آدمی کو بارہا رو کا اور لوگوں کو اس روک ٹوک پر گواہ بھی بنایا (لیکن وہ باز نہ آیا) ایک روز وہ شخص آیا ہوا تھا کہ شوہر نے اسے دیکھ لیا اور قتل کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت مصعب بن زبیر کے پاس لے جایا گیا تو انہوں نے کہا: اگر حضرت عمرؓ نے اسے دیت نہ دلوائی ہوتی تو میں بھی دیت نہ دلواتا۔ چنانچہ اُنہوں نے شوہر سے اُس آدمی کی دیت☆ دلوائی۔

④ ہانی بن حزام کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو پایا تو اس نے دونوں کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو قید میں ڈالنے اور مقتولین کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ (مصنف عبدالرزاق:۹/۴۳۵،۴۳۶) مسند احمد کی روایت میں صرف آدمی کو قتل کرنے کا ذکر ہے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال روایت عبداللہ بن احمد:۲/۷۴) جبکہ

☆مقتول بدکاری کی نیت سے آیا ہو اور اس نے ابھی بدکاری کا فعل نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں بھی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی دیت ادا کی جائے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ کا فتویٰ آگے آرہا ہے۔ (صفحہ نمبر ۶۲) یا یہ پتہ چلے کہ قاتل نے یہ کام بدکاری کے شبہ میں کیا ہے، حالانکہ بدکاری عملاً نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں قاتل کو اس شبہ کا فائدہ دے کر اس قتل کو قتل عمد کی بجائے قتل خطا تصور کیا جایا جائے اور دیت لی جائے جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

مصنف ابن ابی شیبہ (۵/۴۵۰) میں مرد عورت دونوں کے قتل کا تذکرہ ہے۔
اسلام قانونی ثبوت کے بغیر قتل کے مجرم کو سزا سے کوئی رعایت نہیں دیتا چنانچہ ابن عبدالبر نے "ایسے شخص کو قتل کی سزا دینے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے جو بدکاروں کو قتل تو کردے، لیکن اسکے گواہ یا ثبوت لے کر نہ آئے۔ یہ مسالکِ اربعہ کا متفقہ موقف ہے۔" (التمهيد:۲۱/۲۶۰)

سزا کے بارے میں فقہا کا موقف

❀ نیل الاوطار میں امام شوکانیؒ نے اس سلسلے میں فقہا کے مختلف موقف جمع کردیے ہیں جس کی رو سے جمہور علما کے نزدیک اگر بدکاری ثابت ہو جائے تو قتل غیرت کے ملزم کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ البتہ وقوعہ کے ثبوت کے بارے میں ان میں اختلاف ہے: امام احمد بن حنبلؒ اور اسحق بن راہویہؒ کے نزدیک دو گواہ لانے کافی ہیں جبکہ جمہور فقہا کے مطابق چار گواہ۔ بعض فقہا نے اس میں مقتول کے شادی شدہ ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ (۶/۲۲۶)

❀ علامہ ابن قیم جوزیؒ اس سلسلے میں ائمہ فقہا کا موقف بیان کرتے ہیں:

"امام شافعیؒ اور ابو ثورؒ کے مطابق اگر مقتول شادی شدہ ہو اور وقوعہ ثابت ہو جائے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا، کیونکہ یہ حد کے قائم مقام ہو جائے گا...... امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ کے مطابق اگر قاتل وقوعہ کے دو گواہ لے آئے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا......
امام مالک سے اس سلسلہ میں دو قول ہیں: ان کے شاگرد ابن حبیب کے مطابق اگر مقتول شادی شدہ ہو اور وقوعہ ثابت ہو جائے تو مقتول کا خون رائیگاں جائے گا، ان کے دوسرے شاگرد ابن قاسم کے مطابق مقتول کا خون رائیگاں جانے کے لئے صرف وقوعہ کا ثبوت ہی کافی ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ کنوارے کے قتل کی صورت میں دیت دینا بہتر ہے۔" (زاد المعاد: ۵/۴۰۷)

واقعہ کا مستند ثبوت کیسے؟

① مقتولین کا دورانِ فعل قتل ہو جانا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اس گناہ کے مرتکب تھے جیسا کہ نبی کریمؐ کا فرمان ہے:

«كفى بالسيف 'شا'» يريد أن يقول شاهدا... الخ (كنز العمال:۱۳۶۱۳)

"تلوار بطورِ 'گواہ' کافی ہے آپؐ گواہ کہنا چاہتے تھے۔ (یعنی دونوں برا کام کرتے ہوئے مارے گئے تو ان کا موقعہ پر مارا جانا ہی ان کے جرم کی شہادت ہے)"

ایسے ہی حضرت عمرؓ کے پاس آنے والا واقعہ جب قاتل نے دورانِ بدکاری دورانوں کے درمیان تلوار مار کر قتل کردیا تھا۔ (دیکھئے صفحہ نمبر ۴۴)

© rasailojaraid.com

②اس کے دلائل گواہان کی بجائے ثانوی شہادت / قرائن سے حاصل ہو جائیں جیسا کہ قبیلہ ہذیل کے مہمان نے لونڈی سے بری نیت کی اور اس نے پتھر مار کر اس کا جگر پھاڑ دیا تو حضرت عمرؓ نے تفتیش کرنے کے بعد لونڈی کی بات کو درست مانا اور چھوڑ دیا۔ (صفحہ نمبر ۴۲)

ایسے ہی انصاری بزرگ کی بیٹی نے اَمرد (داڑھی آنے سے قبل بالغ) لڑکے کو قتل کرکے پہلے اسے پھر اس کے نومولود بچے کو راستے میں پھینک دیا اور حضرت عمرؓ نے بذاتِ خود جا کر تحقیق کی اور عورت کو مجبور قرار دیا۔

③اس کا خود اعتراف مقتول کے مرنے سے قبل یا مقتولہ کے اولیا سے حاصل ہو جائے۔

فقہ مقارن کی کتاب 'المغنی' میں ہے:

وإن اعترف الولی بذلک فلا قصاص علیه ولا دیة لما روی عن عمر

''اگر مقتولہ کا ولی خود جرم زنا کا اعتراف کرلے تو قاتل پر نہ قصاص ہوگا اور نہ ہی دیت، جس کی دلیل حضرت عمرؓ کا واقعہ ہی ہے۔'' (۱۱/۴۶۱ و ۴۶۲)

اور اگر ولی انکار کردے تو تب مجرم کو گواہی لانا ہوں گے۔ المغنی (۸/ ۳۲۲) میں ہے:

وإذا قتل رجلا وادعی أنه وجده مع امرأته فانکر ولیها فالقول قول الولي

④بعض فقہا کے مطابق اس کے لئے دو گواہ کافی ہیں، اور یہ حنابلہ کا موقف ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقھیة میں ہے:

عند الحنابلة أنه یکفی شاهدان وإن البینة تشهد علی وجود الرجل علی المرأة ولیس علی الزنا (الموسوعة الفقهية: ۸/ ۱۱۰)

''حنابلہ کے نزدیک دو گواہ کافی ہیں، کیونکہ گواہی تو اس امر کی مطلوب ہے کہ یہ وقوعہ ہوا تھا نہ کہ زنا کی گواہی......''

فقہ حنبلی کی ایک اور کتاب کشاف القناع میں اس سے زیادہ صراحت ہے کہ

والبینة شاهدان لأن البینة تشهد علی وجوده مع المرأة وهذا یثبت بشاهدین وإنما الذي یحتاج إلی أربعة الزنا وهذا لا یحتاج إلی إثبات الزنا

''دو گواہ سے ثبوت حاصل ہوتا ہے، کیونکہ ثبوت اسی امر کا مطلوب ہے کہ مقتول عورت کے ساتھ موجود تھا اور یہ ثبوت دو سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں نے ۴ کی گواہی ضروری قرار دی ہے وہ زنا کی گواہی میں اُلجھ گئے ہیں۔'' (۶/ ۱۵۶)

⑤اکثر فقہا کا خیال ہے کہ چار کی گواہی سے ہی واقعہ کا ثبوت حاصل ہوگا، کیونکہ نبی کریمؐ نے حضرت سعدؓ سے چار گواہ لانے کا پوچھا تو آپ نے 'ہاں' فرمایا۔ دیکھئے صفحہ ۳۰

علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے بھی چار گواہ طلب کئے تھے، وگرنہ انہوں نے کہا تھا کہ میں

© rasailojaraid.com

پوری پوری سزادوں گا دیکھئے صفحہ نمبر ۵۲

تجزیہ تبصرہ

کسی مسئلہ کا شرعی حکم اور چیز ہے اور اس کی شرعی اور قانونی سزا اور چیز؛ کیونکہ کسی معاملے کے حکم اور اُصولی فیصلہ میں گویا انتظامی طور پر اس گناہ کو روکنے کے طریقے بھی شامل ہوتے ہیں جبکہ اس کی سزا میں انصاف کے تقاضوں کے مطابق مجرم کو جائز سزا ہی دی جاتی ہے۔ ایسا ہی فرق عام مسئلہ اور فتویٰ کے بارے میں بھی ہے کہ مسئلہ تو ٹھوس اور جامع بیان کیا جاتا ہے لیکن جب واقعہ پیش آجاتا تو اس سلسلے میں جائز رعایت سائل کا حق بنتی ہے۔

چونکہ غیرت کے نام پر قتل کرنا بھی جرم ہے، اس لئے شریعت میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ چند نوں کے بعد ناکاروں کو قتل کرنے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی جائے۔ جہاں تک اس آدمی کی سزا کا سوال ہے جو ایسے قتل کا ارتکاب کرلے تو نبی ﷺ کا انتظامی حکم تو بالکل واضح ہے اور ہمارا اس معاملہ کو 'سزا سے تعبیر' کرنے کا مطلب ہی اس کو جرم قبول کرنا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اسلام نے قتل غیرت کی گنجائش دی ہے، البتہ سزا کی حد تک ملزم سے پورا پورا انصاف کیا جانا چاہئے اور اس کے جرم کی سنگینی کے مطابق ہی اس کو سزا دی جانا چاہئے۔

اس جرم کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے ایک آسان مثال لیجئے کہ ایک شخص (سلیم) نے دوسرے شخص (جاوید) کی ٹانگ کاٹ دی، جاوید کو بھی چندماہ بعد موقع ملا اور اس نے بھی جواباً سلیم کی ٹانگ کاٹ دی۔ اس صورت میں کیا بعد میں ٹانگ کاٹنے والے (جاوید) کو ٹانگ کاٹنے کا مجرم سمجھا جائے یا صرف اس جرم کا کہ اس نے اپنا قصاص خود وصول کیوں کیا، جبکہ قصاص عدالت کے ذریعے ہی وصول کرنا اس کے لئے جائز تھا۔

اس کا فیصلہ اس امر سے ہوگا کہ جاوید کو کیا سزا دی جاتی ہے، اگر تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس ٹانگ کاٹنے کے بدلے قصاصاً اس کی دوسری ٹانگ بھی کاٹ دی جائے تو پتہ چلا کہ یہ شخص قصاص کا مجرم ہے، لیکن یہ فیصلہ کوئی جج نہیں دے گا بلکہ عدالت ایک ماہ بعد ٹانگ کاٹنے والے جاوید سے صرف یہ تقاضا کرے گی کہ وہ ثابت کرے کہ سلیم نے ہی اس کی بھی ٹانگ کاٹی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں کے قصاص کا معاملہ تو آپس میں صاف ہوگیا۔

قصاص کی صورت میں یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ مجرم سے قصاص لینا اصل میں مظلوم کا ہی حق ہے جو ظلم کی صورت میں اسے ظالم کے خلاف حاصل ہوا ہے۔ مظلوم کا حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اُسے ہی قاتل کو معاف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ (اسلام کا قانونِ فوجداری:

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

۲/۱۷۱، ۲/۳۴۲)اور یہ بھی وارث (ولی دم) کا حق ہے کہ وہ عدالت میں قاتل کو خود قتل کرے۔ (ایضاً: ۱/۵۶۳، ۲/۱۵۰)عدالت کا تعلق یہاں صرف اس قدر ہے کہ اس نے جہاں اس حق کو وصول کرنے میں مظلوم کی مدد کرنا ہے،وہاں عدل وانصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے ظالم کے جرم کا تعین بھی اُسے ہی کرنا ہے۔جرم کے تعین کا مرحلہ اگر بدلہ لینے کے بعد بھی حاصل ہو جائے اور مظلوم کو بدلہ لینے میں عدالت کی معاونت کی ضرورت بھی نہ رہے تو ایسی صورت میں عدالت کی حیثیت صرف نظم وضبط برقرار رکھنے کے ایک ادارہ کی بن جاتی ہے۔ لیکن ایسی صورتحال تمام جرائم میں نہیں ہوتی بلکہ بعض صورتوں میں ظالم عام معاشرے کے خلاف یا اللہ کی حدوں کو توڑنے کا مجرم ہوتا ہے، ایسی صورتحال میں عدالتوں کا کردار اور ضرورت قصاص کے واقعہ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

جہاں تک اس انتظامی رعدالتی حق کا تعلق ہے تو اس شخص نے ایک انتظامی جرم یہ کیا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر اپنا فیصلہ خود کیوں کیا؟عدالت اُسے اس انتظامی جرم کی کوئی بھی تعزیری سزا دے سکتی ہے یا چاہے تو معاف بھی کر سکتی ہے جیسا کہ سابقہ فیصلوں میں حکامِ وقت نے اس انتظامی جرم کے بدلے اس کو کوئی تعزیری سزا نہیں دی۔ ایسے ہی باقی تمام فیصلوں میں جہاں سزا کا عندیہ بھی ظاہر کیا گیا، وہ صرف ثبوت مہیا کرنے تک ہے، ورنہ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان عدالتوں نے اپنا تعزیری حق چھوڑ دیا۔

چنانچہ قواعدِفقہیہ کی مشہور کتاب الأشباہ والنظائر میں 'کن گناہوں پر تعزیر کی سزا نہ دی جائے؟' سے بعض مسائل کو مستثنیٰ کیا گیا ہے

> الرابعة: إذا رأىٰ من يزني بزوجته وهو محصن فقتله في تلك الحالة فلاتعزير عليه لأجل الحمية والغيظ (ص:۴۹۰)
>
> ''چوتھی (مستثنیٰ)صورت یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتا پالے اور وہ زانی شادی شدہ ہو تو اس کو قتل کر دے تو ایسی حالت میں اسے حمیت وغیرت اور غصہ کی وجہ سے (معذور سمجھ کر) کوئی تعزیر نہ دی جائے۔''

غیرت کے نام پر قتل کی مثال بھی ایسے ہی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے حرم (عزت) پر ہاتھ ڈالا، یا اس کی بیوی نے اپنے علاوہ اپنے شوہر کی عزت بھی پامال کی☆۔ شوہر کا فرض یہ تھا کہ وہ اس معاملہ کو عدالت میں لے جاتا، لیکن اس نے یہ معاملہ خود نمٹا دیا جو اس کا انتظامی جرم ہے۔ایسی صورت میں شوہر کو کیا قصاصاً قتل کیا جائے یا اس کو اپنے ساتھ مذکورہ زیادتی ثابت کرنے پر ہی چھوڑ دیا جائے اور ضروری ہو تو انتظامی سزا (تعزیر) عائد کی جائے۔

© rasailojaraid.com

اسلامی ماہر قانون جسٹس عبدالقادر عودہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :

''قتل کے سزاوار شخص کو خود قتل کرنا حکومت کے اختیارات پر دست درازی ہے، اس لئے قاتل کو باعتبار قاتل تو سزا نہیں ملے گی، البتہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا ضرور ملے گی، یہی مسالکِ اربعہ کی راجح رائے ہے۔' (اسلام کا فوجداری قانون: ۲/ ۱۹۳)

شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی قتل ہے۔ اگر کوئی شخص اسے قتل کردے تو قاتل پر قتل کی سزا نہیں بشرطیکہ قاتل قانونی طور پر ان کا اثباتِ جرم کردے اور اگر نہ کرسکے تو وہ قتل کی سزا پائے گا۔ پہلی صورت میں قانون کو ہاتھ میں لینے پر تعزیری سزا دی جائے گی۔ (۲/ ۱۹۶)

☜ غیرت کے نام پر ہونے والے قتل میں قاتل کے انتظامی جرم کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے اور اس کے بارے میں مسلم عدالتوں کے رجحانات بھی ذکر ہوچکے ہیں۔ غیرت کے نام پر اس قتل کے جرم میں دوسرا جو تصور زیر بحث آرہا ہے، وہ یہ ہے کہ مقتول معصوم الدم (پاکیزہ خون) نہیں۔ قاتل کو اپنے گناہ کی بھرپور سزا اس وقت ملتی ہے جب مقتول معصوم ہو۔ اگر کسی مقتول نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہو تو گویا وہ اسلامی معاشرے کا بھی مجرم ہوتا ہے، ایسی حالت میں بھی قاتل کو رعایت ملتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی انسان کسی قاتل کو موقع ملنے پر قتل کردے، حالانکہ اس قاتل کا قتل اس کا فرض نہ تھا بلکہ عدالت کی ذمہ داری تھی۔

''جن لوگوں کے خون حلال ہیں (یعنی وہ معصوم الدم Protected نہیں)، اگر کوئی شخص اُنہیں قتل کردے تو وہ قاتل متصور نہیں ہوگا۔ کیونکہ رائیگاں خون کا قتل باعتبارِ فعل قتل، جرم متصور نہیں ہوتا۔ چونکہ بذاتِ خود یہ فعل (قتل) جائز تھا۔ لیکن چونکہ ان افراد کا قتل ریاست اور اقتدارِ عامہ کی ذمہ داری تھی، اس لئے ایسے غیر معصوم الدم افراد کو قتل کرنا اقتدارِ عامہ پر دست درازی

☆ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں فریقین کا حق برابر ہے اور مرد کی طرح عورت بھی اپنے ہتکِ عزت کی بنا پر وہی اقدام کرنے کی مجاز ہے، وہ لوگ جہاں معاہدۂ نکاح میں مرد کی برتر انتظامی پوزیشن کو نظر انداز کرتے ہیں جو طلاق یا اطاعتِ زوج کی صورت میں بوجوہ اسے ہی حاصل ہے، وہاں صدیوں سے چلی آنے والی معاشرتی روایات اور ہر دو صنفوں کے مخصوص ذہنی و فکری خصائص و امتیازات کو بھی پس پشت ڈالتے ہیں جن کی رو سے نہ صرف خاندان کی عزت کا تصور مرد سے ہی وابستہ ہے۔ اپنے گھرانے کی عزت کے لیے کسی عورت کا غیرت سے بھرپور اقدام کرنا بہت شاذ و نادر رہا ہے۔ اسلام نے بھی گھرانے کی ذمہ داری مرد کو ہی دی ہے اور گھرانے کے معاشرتی عزت و وقار کے تصورات بھی آج تک مردوں سے وابستہ رہے ہیں۔ عورت کو غیرت کا برابر حق دینے والے کیا اس امر کا جواب دے سکتے ہیں کہ کنوار گی کا چیک اللہ نے صرف عورت کیلئے کیوں رکھا ہے؟ یا صرف مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کیوں دی ہے؟ فطرت اور صدیوں سے چلی آنیوالی مسلمہ روایات سے ٹکرانا خالصتاً منفی رویہ ہے جس سے ہر ذی فہم کو گریز ہی کرنا چاہیے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ہے، اسی لئے ایسے قاتل کو باعتبار قاتل تو سزا نہیں دی جائے گی، البتہ انتظامی جرم کی سزا اُنہیں ضرور ملے گی۔ اور یہی مسالکِ اربعہ کی رائے ہے۔'' (اسلام کا فوجداری قانون: ۲؍۱۹۳)

اسی اُصول کی بنا پر اگر قاتل کنواری عورت کو بدکاری کی پاداش میں بعد از بدکاری قتل کردے تو چونکہ کنواری عورت کی سزا رجم نہیں بلکہ ۱۰۰ کوڑے ہے، اس لیے قانوناً قاتل پر قصاص لاگو ہونا چاہیے۔ لیکن اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ مقتولہ عورت سنگین گناہ کی مرتکب ہو کر معصوم نہیں رہی۔ اس کے گناہ گار ہونے کا فائدہ قاتل کو یوں ملے گا کہ اس پر دیت یا تاوان عائد ہوگا۔ البتہ مجبور عورت کو قتل کرنے والے سے قصاص ہی لیا جائے گا کیونکہ وہ عورت معصوم الدم ہے۔ جب ایسی رعایت یا شبہ پیدا ہو جائے تو اسلامی شریعت میں قتل کی سزا قصاص سے کم ہو کر دیت تک آجاتی ہے۔ گذشتہ فیصلہ جات میں کنوارے یا مشتبہ مقتولین کے قاتل پر دیت عائد کرنے کی یہی وجہ ہے۔

☜ اس تمام صورتحال میں زیادہ سنگینی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ملک میں عدل وانصاف بہت مشکل ہو یا اس کا دورانیہ طویل ہو، یا عام آدمی کی دسترس سے باہر ہو۔ بالخصوص ان حالات میں جب عدالتیں اسلامی نظام کے بجائے غیر اسلامی قوانین سے فیصلے کرتی ہوں تو ایک مسلمان ان سے فیصلہ کروانے میں ویسے ہی ہچکچاتا ہے۔ جیسا کہ نکاح میں والدین کو نظر انداز کرنے کی لگاتار عدالتی روش سے تنگ آکر لوگوں نے یہ فیصلے عدالتوں کے بجائے خود ہی نمٹانا شروع کردیے ہیں۔

ایسی صورتحال میں عامی شخص اس عدالتی جھنجٹ میں پڑنے کی بجائے قانون کو خود ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ جو لوگ پاکستانی معاشرے کو قانون کی پابندی اور امیر کی اطاعت کا درس دیتے ہیں، انہیں یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا کرنا چاہئے کہ نہ یہ قانون اسلامی ہے اور نہ یہ امیر المومنین کی خلافت ہے۔ اس ملک میں عدالتوں میں لے جانے والے جھگڑوں سے جس طرح ایک مسلمان کی عزت سربازار رسوا کی جاتی ہے اور اخبارات میں نمک مرچ لگا کر جھوٹے سچے قصے بیان کئے جاتے ہیں اور فیصلے لیتے زندگیاں بیت جاتی ہیں، اس سے عوام الناس کو قانون ہاتھ میں لینے کی ہی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جسٹس عودہؒ کی رائے یہ ہے:

''امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور احمدؒ اس امر پر متفق ہیں کہ شادی شدہ زانی کے قاتل پر قصاص و دیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا قتل بوجہ زنا کے جائز ہو گیا۔ اب چونکہ سزائے زنا 'حد' کی قبیل سے ہے اور حدود میں نہ تو تاخیر ہو سکتی ہے اور نہ انہیں حکومت معاف کر سکتی ہے، اس لئے ایسے زانی کا قتل واجب ہے جو گناہ کو ختم کرنے اور حدود اللہ کو نافذ کرنے کیلئے ناگزیر ہے۔

© rasailojaraid.com

شادی شدہ زانی کا قاتل مستوجبِ سزا تو نہیں، البتہ نظامِ حکومت کو مجروح کرنے کی بنا پر اس پر گرفت ہو گی۔ بشرطیکہ اقتدار اس فرض کو ادا کر رہا ہو، اگر اقتدار نے اس فرض کو چھوڑا ہوا ہے یا اس سے گریز کر رہا ہے تو جو شخص اس فرض کو ادا کرے، اسے اس بنیاد پر پکڑا نہیں جا سکتا کہ اس نے نظامِ حکومت کو مجروح کیا ہے۔'' (ایضاً:۱/۶۴۰)

الغرض غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کے مجرم کو وقوعہ ثابت ہو جانے پر قصاص کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ وہ صرف انتظامی جرم کی سزا کا مستحق ہے، جس کی سزا تعزیری ہے کیونکہ مقتول کو معصوم تصور نہیں کیا جانا چاہئے۔ البتہ جہاں ثبوت نہ ملے اور مجرم معصوم ہو، وہاں قاتل کو بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت دینا ہو گی۔

یاد رہے کہ دورانِ بدکاری دفاع یا نہی منکر کی صورت میں تمام فقہا کا اتفاق ہے سوائے امام شافعی کے ایک قول کے جس کی رو سے وہ اسی دفاع میں قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں جب دخول عملاً حاصل ہو چکا ہو۔ ایسے ہی اس امر میں اجماع ہے کہ وقوعہ کے بعد قتل کرنے والا اگر ثبوت نہیں دے پاتا تو اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، اگر ثبوتِ واقعہ مل جاتا ہے تو ایسی صورت میں بھی تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ اُسے قانون کو ہاتھ میں لینے کا مجرم سمجھا جائے۔ گویا یہ تینوں مسائل فقہا میں اتفاقی ہیں۔ بدکاری کے مرتکبین کی ایسی سزا کے بارے میں حنابلہ کا موقف بھی یہی ہے لیکن اس کی وجہ وہ دفاع کے تصور کی بجائے اس کی یہی سزا ہونا بتاتے ہیں۔ یعنی ان کا اختلاف اس قتل کی توجیہ کے بارے میں تو ہے، نتیجہ پر سب فقہا متفق ہیں۔

حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف

اب تک کی بحث میں دو موقف سامنے آئے ہیں ایک تو دورانِ بدکاری دفاع اور نہی منکر کی قبیل سے، جس میں دفاع کرتے کرتے قتل کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ اور دوسرا موقف وقوعہ بدکاری کے بعد مرتکبین کو قتل کرنے کا ہے۔ ایسی قاتل کو ثبوت مل جانے کی صورت میں قانون ہاتھ میں لینے کا مجرم قرار دے کر سزا دی جائے گی، بصورتِ دیگر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

یہاں ایک تیسرا موقف بھی ہے جس میں دورانِ بدکاری یا اس کے بعد کا فرق کرنے کی بجائے کسی کی عزت کی دخل اندازی کو سنگین ترین جرم تصور کرتے ہوئے اس کی سزا ہی یہ قرار دی گئی ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے کیونکہ ایسے آدمی کا یہی انجام ہونا چاہئے۔ نہ تو دورانِ فعل روکنے والے کو تدریج سے روکنے کی کوئی ضرورت ہے اور نہ بعد از فعل اس کو قتل کرنے والا انتظامی سزا کا حقدار ہو گا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے اس وقوعہ کے قانونی طریقہ پر ثابت

© rasailojaraid.com

کرنا ہو گا۔ یہ موقف حنبلی علما نے اختیار کیا ہے۔ ایسے ہی علامہ ابن تیمیہؒ اس مسئلہ کو اس جرم کی سزا کے باب سے قرار دیتے ہیں اور آپ کا یہ موقف غیر معمولی اہمیت رکھتا اور آپ کی گہری فقاہت کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں:

ليس هذا من باب دفع الصائل بل من باب عقوبة المعتدي المؤذي وعلى هذا فيجوز له فيما بينه وبين الله تعالى قتل من اعتدىٰ على حريمه سواء كان محصنًا أو غير محصن معروفا بذلك أو غير معروف كما دلّ عليه كلام الأصحاب وفتاوٰى الصحابة (زاد المعاد: ۵/۴۰۶)

''اس مسئلہ کا تعلق حملہ آور کے دفاع کی قبیل سے نہیں، بلکہ اللہ کی حد سے بڑھنے والے اور مسلمان کی عزت میں دخل دینے والے ظالم مجرم کی سزا سے ہے۔ ایسے شخص کے لئے اپنی بیوی سے بدکاری کرنے والے کو قتل کرنا حلال ہے اور یہی اس کی سزا ہے جس میں شادی شدہ یا غیر شادی ہونے کا کوئی فرق نہیں، نہ ہی اس امر کا کہ وہ (زانی شخص) اس فعل بد کی شہرت رکھتا ہے یا نہیں، جیسا کہ ہمارے حنابلہ کا کلام اور صحابہ کے فتاویٰ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔'

حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہؒ کے اس موقف کے دلائل بڑے قوی ہیں، ان کے شاگردوں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حنابلہ کا یہ کہنا اسی موقف کی بنا پر ہے کہ ایسی صورت میں ثبوتِ واقعہ کے لئے صرف دو اشخاص کافی ہیں، کیونکہ مسئلہ زنا کی سزا کا نہیں بلکہ صرف وقوعہ کے ثبوت کا ہے جس کے لئے دو گواہ بھی کافی ہوتے ہیں۔ اسی موقف کی رو سے مجرم کے شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی تفصیل بھی غیر ضروری ہے، ایسے ہی مجرم کو روکنے میں تدریج اختیار کرنا بھی لازمی نہیں کیونکہ ایسے جرم کی یہ ایک مستقل سزا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس اجنبی شخص کو پائے اور اس بنا پر اسکو قتل کردے تو کیا ایسی صورت میں اس پر بیوی کی دیت عائد ہوتی ہے؟ تو فرمایا:

إن كان قد وجدهما يفعلان الفاحشة وقتلهما فلا شيئ عليه في الباطن في أظهر قولي العلماء وهو أظهر القولين في مذهب أحمد وإن كان يمكنه دفعه عن وطئها بالكلام كما ثبت في الصحيحين عن النبيﷺ أنه قال لو أن رجل اطّلع في بيتك ففقأت عينه ما كان عليك شيئ ونظر رجل مرة في بيته فجعل يتبع عينه بمدرى لو أصابته لقلعت عينه وقال إنما جعل الاسيتذان من أجل النظر وقد كان يمكن دفعه بالكلام وجاء رجل إلى عمر بن الخطاب وبيده سيف متلطخ بدم قد قتل امرأته فجاء أهلها يشكون عليه فقال الرجل: إني قد وجدت لكاعًا قد تفخذها فضربت ما

© rasailojaraid.com

هنالك بالسيف فأخذ السيف فهزه ثم أعاده إليه فقال: إن عاد فعُد.

ومن العلماء من قال يسقط القود عنه إذا كان الزاني محصناً سواء كان القاتل هو زوج المرأة أو غيره كما يقوله طائفة من أصحاب الشافعي وأحمد

والقول الأول إنما مأخذه أنه جنى على حرمته فهو كفقء عين الناظر وكالذي انتزع يده من فهم العاض حتى سقطت ثناياه فأهدر النبي ﷺ دمه وقال: يدع يده في فيك فتقضمها كما يقضم الفحل؟ وهذا الحديث الأوّل القول به مذهب الشافعي وأحمد.

ومن العلماء من لم يأخذ به قال: لأن دفع الصائل يكون بالسهل والنص يقدم على هذا القول وهذا القول فيه نزاع بين السلف والخلف فقد دخل اللص على عبد الله بن عمر فأصلت له السيف قالوا: فلولا أنا نهيناه عنه لضربه وقد استدل أحمد بن حنبل لفعل ابن عمر هذا مع ما تقدم من الحديثين وأخذ بذلك.

وأما إن كان الرجل لم يفعل بعد فاحشة ولكن وصل لأجل ذلك فهٰذا فيه نزاع، والأحوط لهٰذا أن يتوب من القتل من مثل هذه الصورة وفي وجوب الكفارة عليه نزاع، فإذا كفّر فعد فعل الأحوط فإن الكفارة تجب في قتل الخطإ وأما قتل العمد فلا كفارة فيه عند الجمهور: كمالك وأبي حنيفة وأحمد في المشهور عنه، وعليه الكفارة عند الشافعي وأحمد في الرواية الأخرىٰ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۴/۱۶۸،۱۶۹)

''حمد و ثنا کے بعد! اگر تو اُس آدمی نے ان دونوں کو بدکاری کی حالت میں دیکھ لیا اور اس امر کے باوجود کہ وہ شخص (قاتل) ان دونوں کو بات چیت کے ذریعے اس فعل بد سے روکنے پر قادر ہو، اُس نے اپنی بیوی کو قتل کردیا تو ایسی صورت میں اکثر علما کے خیال میں عنداللہ اس پر کوئی دیت (یا تاوان وغیرہ) عائد نہیں ہوتی۔ حنابلہ کا مشہور ترین موقف بھی یہی ہے جس کی دلیل صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ① اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو (اس کی پاداش میں) اسکی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

② اسی سے ملتا جلتا نبی کریم ﷺ کا واقعہ ہے کہ ''نبی کریم ﷺ کے گھر میں ایک شخص نے جھانکا تو آپؐ نے چبھنے والی کسی شے سے اس کی آنکھ پھوڑنے کی کوشش کی، اگر وہ اس کو لگ جاتی تو لازماً اس کی آنکھ ضائع ہوجاتی۔ اور آپؐ نے فرمایا: ''اجازت لینے کا مقصد یہی ہے کہ جھانکنے سے باز رہا جائے۔'' (بخاری و مسلم) یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ اس شخص کو کلام کے ذریعے (اس جھانکنے سے) روک سکتے تھے، لیکن آپؐ نے ایسا نہ کیا۔

© rasailojaraid.com

③ ایسا ہی واقعہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے دور میں پیش آیا کہ ایک شخص عمر بن خطاب ؓ کے پاس اس حال میں پہنچا کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود تلوار تھی جس سے اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا، اس کے (پیچھے پیچھے بیوی کے) اہل خانہ اس کی شکایت لے کر آ پہنچے تو اس آدمی نے کہا: میں نے ایک پستہ قد آدمی کو اس عورت کی رانوں پر دیکھا۔ چنانچہ میں نے وہیں پر تلوار سے اسے ضرب لگائی۔ حضرت عمر نے اس سے تلوار لی، اُسے لہرایا، پھر واپس لوٹاتے ہوئے فرمایا: اگر وہ دوبارہ ایسے کریں تو ایسا ہی کرنا۔''

یہاں بعض علما کی رائے ہے کہ قاتل سے یہ سزا اس صورت میں ہی ساقط ہو گی جب زانی شخص شادی شدہ ہو اور قاتل کے لئے مقتولہ کا خاوند ہونا یا نہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ یہ موقف امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہے۔

[میرے] اس موقف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ اس آدمی نے اس شخص (قاتل) کی عزت و حرمت پر دست درازی کی تھی۔ چنانچہ اسکے ساتھ غلط جگہ دیکھنے والے کی آنکھ کا سا سلوک ہونا چاہئے یا

④ اس آدمی جیسا سلوک جس نے اپنا ہاتھ کاٹ کھانے والے کے منہ سے کھینچا تو کاٹنے والے کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان دانتوں کا قصاص رائیگاں قرار دیا اور فرمایا: ''کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ باقی رہنے دیتا تا کہ تو اسے سانڈ کی طرح چباتا رہتا۔'' یہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے موقف (دفاع) والوں کی پہلی دلیل ہے۔

جن علمانے اس موقف کو اختیار نہیں کیا، ان کا خیال ہے کہ دفاع دیگر آسان اقدامات سے بھی ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں نص کا لحاظ رکھنا چاہئے لیکن اس نص کے مفہوم میں جدید و قدیم علما میں اختلاف ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے گھر میں چور آ داخل ہوا تو آپ ؓ تلوار لے کر اس کی طرف لپکے اور عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم آپ ؓ کو پکڑ نہ لیتے تو لازمی تھا کہ آپ تلوار سے (چور کی گردن) مار دیتے۔ امام احمد بن حنبل نے سابقہ احادیث کے ساتھ اس واقعہ کو بھی اپنے موقف کی دلیل بنایا ہے۔

❁ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مضروب شخص نے عملی طور پر بدکاری کا ارتکاب کیا ہو لیکن وہ داخل اس نیت سے ہوا ہو تو ایسی صورت میں بھی علما کے مختلف موقف ہیں جن میں سے محتاط ترین موقف یہی ہے کہ ایسے قتل کی صورت میں قاتل اللہ سے ہی توبہ کرلے۔

جہاں تک ایسے قتل کی دیت ادا کرنے کا تعلق ہے تو اس کا دیت ادا کرنا زیادہ محتاط رویہ ہے۔ یاد رہے کہ دیت قتل خطا میں عائد ہوتی ہے۔ جہاں تک قتل عمد کا تعلق ہے تو جمہور علما (مثلاً امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے مشہور موقف) کے مطابق اس قتل پر دیت نہیں دی جا سکتی، البتہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے دوسرے موقف کے مطابق دیت ادا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔''

© rasailojaraid.com

اس موقف کی تشریح

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے اس موقف کی دلیل میں وہ واقعات اور قرائین ذکر کیے ہیں جب ایک شخص نے نبی کریمؐ کے گھر میں جھانکا تو آپ نے اسے آنکھ پھوڑنے کی سزا دینے کی کوشش کی۔ جبکہ گھر میں دیکھنا اس قدر سنگین امر نہیں بلکہ آنکھ پھوڑنے والے نے جھانکنے والے پر ایسے ردّ عمل کا ارتکاب کیا ہے جو باعثِ قصاص ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک مسلمان کی حرمت وعزت میں دخل اندازی کا مسئلہ ہے، اسلئے اس میں شریعت نے اتنی سنگین سزا مقرر کی ہے۔

عزت میں دخل اندازی کی اہمیت کا اس امر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کسی آدمی کا ستر دیکھنے پر بھی اتنی سنگین سزا نہیں جتنی مسلمان کے گھر اور اس کی عزت میں جھانکنے پر۔ اسلام نے ایسے معاملات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ کسی کے حرم میں بدکاری کا فعل کیا جائے تو اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہو گی چہ جائیکہ وہ سزا قتل تک بھی پہنچ جائے۔ علامہ اس موقف پر حضرت عمرؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ اشارہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاتل کو یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ ایسے ہو تو پھر یہی کرنا۔ گویا یہ امیر المومنین کی طرف سے اُسے اجازت نامہ ہے کہ اس جرم کی آئندہ یہی سزا پھر دینا۔ اس لئے اس میں قاتل کو زبان سے روکنے یا بھگانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی سزا ہی یہ ہے۔ اور یہ سزا دینے والا کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔

اس موقف پر سب سے بڑا جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ نبی کریمؐ کا فرمان یعنی حضرت سعدؓ کو اس فعل سے منع کرنے کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے نامور شاگرد حافظ ابن قیمؒ بھی علامہ والے موقف کے ہی قائل ہیں اور اپنی کتاب میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سعد بن عبادہؓ کی چاروں احادیث جن میں نبی کریمؐ کی زبانی 'لا'، 'نعم' اور غیرت کی تعریف کے جملے آئے ہیں (دیکھیں صفحہ نمبر ۳۰) بیان کرکے لکھتے ہیں کہ جو شخص اس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ پھر نبی کریم نے کیوں ایسے قتل سے منع کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ

> ''اس حدیث (سعد بن عبادہؓ) کو اکٹھا ملا کر پڑھیں تو ساری بات کھل جاتی ہے۔ نبی کریم نے پہلے پہل اس سے منع کیا، لیکن جب سعد بن عبادہ نے شدید غیرت کا اظہار کرکے اپنے عزمِ قتل کو دہرایا تو آپ نے قسم کھا کر اس کی غیرت کی تعریف کی۔ آپ کا یہ قسم کھا کر اس کی غیرت کی تعریف کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اگر وہ قتل کرلے تو اس پر کوئی تاوان یا سزا نہیں
> وآخر الحديث دليل على أنه لو قتله لم يُقدَ به... ولقال لو قَتَلْتَه قُتِلْتَ به ورنہ آپ یہ جواباً فرماتے کہ اگر تم نے بیوی کو قتل کیا تو تمہیں جواباً قتل کیا جائے گا۔ (آپ کا ان کے عزمِ

© rasailojaraid.com

قتل کو سن کر ان کی غیرت کی تعریف کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ نے تقریراً اُس کو گوارا کیا)....مزید فرماتے ہیں:

ولم ینکر علیه ولا نهاه عن قتله لان قوله ﷺ حکم ملزم وکذلک فتواه حکم عام للأمة فلو أذن في قتله لکان ذلک حکمًا منه بأن دمه هدر في ظاهر الشرع وباطنه ووقعت الفساد التی درأها الله بالقصاص وتهالک الناس في قتل من یریدون قتله فی دورهم ویدعون أنهم کانوا یرونهم علی حریمهم فسدَّ الذریعة وحمی المفسدة . . . الخ (زاد المعاد: ۵/۴۰۸)

''نبی کریمؐ نے ان کے عزم کا انکار نہیں کیا، نہ ہی ان کو قتل کے عزم سے روکا، کیونکہ آپؐ (اگر صریح الفاظ سے اجازت فرما دیتے تو آپؐ) کا حکم ماننا سب کے لئے لازمی ہو جاتا، ایسے ہی آپ کا یہ فرمان عامۃ المسلمین کے لئے حکم کا درجہ رکھتا، اگر آپؐ قتل کی اجازت دیتے تو گویا یہ آپؐ کی طرف سے واضح حکم صادر ہو جاتا کہ مقتول کا خون ظاہر شرع (حکم و قانون) اور اللہ کے ہاں رائیگاں ہے۔ اس طرح وہ عظیم تر فساد (قتل وغارت) رونما ہو جاتا جسے اللہ تعالیٰ نے قصاص کے ذریعے روکا تھا (یعنی قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے)۔ اس طرح لوگ من مانے قتلوں کے لئے ہلاکت خیزی برپا کرتے اور اس دعویٰ کی بنا پر چھوٹ جاتے کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ فلاں مرد کو دیکھا تھا۔ سد ذریعہ کے طور پر فساد کی روک تھام کے لئے اور خون کے تحفظ کے لئے آپ نے ایسا نہ کیا۔ (اور خاموش رہے)

حضرت سعد کی دوسری حدیث میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ (وقوعہ کے بارے میں) قاتل کی بات پر یقین کرنے کے بجائے شریعت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ جب حضرت سعد نے یہ کہا (دیکھئے: تیسری حدیث) کہ وہ گواہوں کا انتظار کئے بنا قتل کر دے گا تو نبی کریمؐ نے سعد کی غیرت پر تعجب کا اظہار کیا اور انہیں کہا کہ ان کی غیرت بجا لیکن نبی کریمؐ ان سے زیادہ غیرت رکھتے ہیں اور اللہ سب سے زیادہ غیرت مند ہیں۔ اس آخری جملے کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں:

① سعد کے حلف پر نبی کریمؐ کا خاموش رہنے کا مطلب یہ کہ انہوں نے اللہ اور بندے کے مابین تو اس کو جائز قرار دیا، لیکن ظاہری قانونی شرعی تقاضوں کے پیش نظر قتل سے منع کیا۔ اس طرح احدیث کا آخر اپنے شروع سے متضاد نہیں رہتا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم نے سعد کے اس عزم کو برا جانا اور صحابہؓ سے کہا: تم اپنے سردار کو دیکھتے نہیں کہ میں اسے روکتا ہوں اور یہ اصرار کیے جارہا ہے۔ میں غیرت میں اس سے کم تر نہیں اور اللہ کی غیرت مجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے چار گواہ لانے کا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

انہیں پابند کیا، آپ کا یہ حکم حکمت و مصلحت اور اُمت کے لئے رحمت واحسان سے بھرپور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی شدید غیرت کے باوجود اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب سمجھتا ہے۔اس کلام کے دونوں مفہوم ہی مراد ہیں، اور دونوں ہی مناسبِ حال ہیں۔''

حافظ ابن قیمؒ نے یہاں ایک اور قانونی نکتہ پیش کیا ہے کہ قاتل کا یہ فعل اللہ اور انسان کے باہمی تعلق کے پس منظر میں بریٔ الذمہ ہے، لیکن انسانوں کے اُمور کی مصلحت اور شریعت کے ظاہری پہلو کی رو سے اس کو سزا دلوانے کے قانونی تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں۔اس لحاظ سے حدیث کی ابتدا میں روکنا اور آخر میں غیرت پر تعریف کرنا دونوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

قتل غیرت کے بارے میں عصری قانون کا نکتہ نظر

سابقہ اوراق میں اس مسئلہ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے جس میں اس کی سزا پر شرعی آرا بھی شامل ہیں، البتہ اس مسئلہ میں مختلف ممالک کے معاصر قوانین میں ایک اور پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن دلچسپ امر ہے کہ مغرب و مشرق اور اسلامی ممالک کے جدید قوانین حتیٰ کہ پاکستانی قانون میں بھی قتل غیرت کو عام قتل قرار نہیں دیا جاتا۔اسلامی ممالک کے وضعی قوانین کی رو سے اسے قتلِ خطا قرار دے کر مجرم کو سزا میں رعایت کا حقدار بتایا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جدید قانون اسے اشتعال کے تحت ہونے والے جرائم کے تحت لاتا ہے اور ایسا اشتعال جس میں انسان کے ہوش وحواس قابو میں نہ رہیں، یا جس میں انسان کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچے اور وہ بے قابو ہو کر کوئی اقدام کر بیٹھے تو ایسی صورت میں جدید قوانین اسے قتل خطا قرار دے کر رعایت عطا کرتے ہیں۔

جہاں تک اس مسئلہ کے بعض دیگر پہلوؤں کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ماہنامہ محدث میں چند برس قبل (جون ۱۹۹۹ئ) قتل غیرت کے موضوع پر شائع ہونے والے مقالے میں جسے محمد عطاء اللہ صدیقی نے تحریر کیا تھا، معاصر اسلامی ممالک کے قوانین کی مکمل تفصیل دی گئی ہے۔اس مقالہ میں مغرب میں فوری اشتعال کے تحت ہونے والے قتلوں کو حاصل ہونے والی رعایت پر مبنی واقعات کا تذکرہ بھی موجود ہے۔پاکستان کی عدالتیں بھی اسی کے مطابق اپنے فیصلے دیتی رہی ہیں بلکہ اِنہی سالوں میں بھی ایسے کئی فیصلے دیے گئے ہیں جن میں قتل غیرت کے مجرم کو سزا میں رعایت دی گئی ہے۔اسی موضوع پر ایک اہم مقالہ محترمہ مسز ثریا علوی کا ہے جو ان کی کتاب 'جدید تحریک ِنسواں اور اسلام' میں مطبوع ہے۔محمد عطاءاللہ صدیقی لکھتے ہیں :

''اُردن کے مجموعہ تعزیرات ۱۹۶۰ء کے آرٹیکل ۳۴۰ کے الفاظ یہ ہیں : (i) کوئی

© rasailojaraid.com

شخص جو اپنی بیوی یا محرمات میں سے کسی ایک کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ بدکاری (زنا) کرتے ہوئے اچانک پکڑ لے اور وہ ایک یا دونوں کو قتل، زخمی یا مجروح کردے تو وہ ہر طرح کی سزا سے مستثنیٰ ہے۔" ایسے ہی (ii) کوئی شخص جو اپنی بیوی یا ماں، دادی میں سے کسی ایک کو یا پھر بیٹی پوتی جیسے وارثین میں سے کسی ایک کو یا اپنی بہن کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ بستر میں ناجائز حالت میں اچانک پکڑے اور اسے قتل، مضروب یا مجروح کردے تو وہ سزا میں کمی کی رعایت (فائدہ) کا مستحق ہوگا' (Islam and Feminism, *By Lama Abu Odeh*)

بعض مسلم ماہرین قانون نے مندرجہ بالا آرٹیکل کے عمل درآمد کے لئے تین شرائط کی تکمیل کو بھی ضروری قرار دیا ہے مثلاً

(i) ملزم کا مقتولہ سے رشتہ (خاوند، بھائی، بیٹا)

(ii) عورت کا بدکاری کرتے ہوئے اچانک رنگے ہاتھوں پکڑا جانا۔

(iii) قتل کا اقدام بدکاری دیکھنے کے فوراً بعد اور فوری اشتعال کا نتیجہ ہو۔

پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کے مطابق بھی عزت کے قتل اور فوری اشتعال کے نتیجہ میں کئے جانے والے قتل کو 'قتل عمد' کی بجائے 'قتل خطا' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۸۶۰ء سے لے کر اب تک ان قوانین کی تعبیر و تشریح اور راطلاق میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے سینکڑوں فیصلہ جات ریکارڈ پر ہیں جس میں غیرت کے قتل کو 'قتل عمد' نہیں سمجھا گیا۔ ان فیصلہ جات میں سے ایک فیصلہ جو ۲۶/ نومبر ۱۹۹۷ء کے اخبارات میں رپورٹ ہوا......"

پھر مصنف نے پاکستان، مصر، امریکہ اور یورپی عدالتوں کے متعدد ایسے فیصلوں کی نشاندہی کی ہے جس میں فوری اشتعال کے تحت یا بے قابو ہونے کے سبب مجرم کو رعایت دی گئی ہے۔ تفصیلات کے شائقین اصل مضمون کا مطالعہ کریں۔

البتہ جیسا کہ شرعی موقف کی وضاحت میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام صرف ثبوتِ واقعہ سے بحث کرتا ہے۔ جدید قانون کا یہ تصور کہ یہ حق صرف بھائی، باپ اور شوہر کو دیا جانا چاہئے، کیونکہ ایسا غیرت بھرا اقدام انہی قریبی رشتہ داروں سے ممکن ہے اور وہی اس میں رعایت کے مستحق ہیں، لیکن اسلام میں ایسے اقدامات ملی غیرت کے نام پر بھی وجود میں آئے اور ان کا اعتبار کیا گیا جیسا کہ بنوقینقاع سے چھڑ جانے والی جنگ کے پس منظر میں مسلمان کا یہودی کو قتل کرنا، نبی کریمؐ کا فیصلہ نہ ماننے پر حضرت عمرؓ کا یہودی کو قتل کرنا اور جہاد پر جانے والے مجاہد کی بیوی سے زنا کرنیوالے یہودی کو مسلمان کے قتل کرنے کا واقعہ (دیکھئے صفحہ نمبر ۴۸، ۵۰)

ایسے ہی اسلام فوری اشتعال کے سبب اس جرم میں رعایت دینے کی بجائے اس موقع پر اس جرم کو روکنے کے نقطہ نظر سے بحث کرتا ہے چاہے وہ دفاع کی قبیل سے ہو، اپنی عزت کی

© rasailojaraid.com

حفاظت کے نکتہ نظر سے یا نہی عن المنکر کی تعمیل میں۔ اگر اسلام میں فوری اشتعال کی کوئی اہمیت ہوتی تو اس بنا پر بیوی کی نارضامندی کے باوجود اسے قتل کرنیوالے پر قصاص عائد نہ کیا جاتا۔

ان تمام اسلامی و قانونی تشریحات اور عالمی قوانین و فیصلہ جات کے باوجود صرف مادر پدر آزاد تہذیب کے فروغ کے لئے غیرت کے مجرم کو نشانِ عبرت بنا دینے کی خواہش اور اس کے لئے سنگین ترین سزا پر مبنی قانون سازی کا مطالبہ این جی اوز کا عجب رویہ ہے جس میں ہماری قبائلی روایات کی اصلاح سے بڑھ کر مغربی تہذیب کا لپکا اور آزادانہ جنسی معاشرہ کے قیام کی خواہش کار فرما ہے۔ ان مغرب زدہ خواتین کے نزدیک نہ صرف یہ کہ نکاح ایک ناپسندیدہ بندھن ہے بلکہ یہ اسے قیدِ غلامی کی یادگار قرار دیتی ہیں۔ نکاح کے ادارہ کی جگہ صرف باہمی رضامندی کو دے کر یہ لوگ ایک آزاد رو معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو کوئی اس حکمت کو نظر انداز کر کے ان کے بظاہر خوبصورت موقف کی تائید کرتا ہے، اسے اس کے مضمرات پر ضرور غور کر لینا چاہئے۔ یہ خواتین نہ صرف یہ کہ نکاح سے قبل جنسی تعلقات کو عورت کا حق قرار دیتی ہیں، بلکہ طوائف کو جنسی کارکن قرار دلوانے کا بھی مطالبہ رکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک زنا کے جائز ہونے کی واحد شرط نکاح سے قبل لڑکا لڑکی کی وقتی رضامندی ہے۔ ایسے ہی نکاح کے بعد مرد کے ساتھ بیوی کی وقتی نارضامندی کے سبب ہونے والے ازواجی تعلق کو یہ خواتین 'ازدواجی زنا بالجبر' سے تعبیر کر کے اس کے لئے بھی سنگین سزا کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گویا نکاح کے مقدس بندھن کا مقام اُنہوں نے باہمی رضامندی کو ہی دے رکھا ہے۔

غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم سے اُنہیں خوف اسی لئے آتا ہے کہ اس سے اس تہذیب کو خطرہ درپیش ہے جس میں جنسی بے راہ روی کوئی ناپسندیدہ فعل نہیں بلکہ خالصتاً عورت کا حق ہے۔ حکومت کو بھی بیجنگ پلس فائیو کانفرنس پر دستخط کے ذریعے یو این او کے زیر نگرانی اسی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ عدالت اور مقننہ کو چاہئے کہ اس سلسلے میں نبی کریمؐ نے جس طرح کثیر المقاصد جملوں کے ذریعے ایک طرف قتل وغارت کا دروازہ بند کیا ہے، دوسری طرف غیرت کے جرائم کی بھی حوصلہ شکنی کی ہے، ایسے ہی بعد میں فقہا نے اس جرم کی سزا کو انصاف کی میزان میں پورا پورا تول کر ہر دو فریق کو جائز حق دیا ہے، ان اسلامی روایات کی پاسداری کریں اور ایسی کسی بھی قانون سازی سے گریز کیا جائے جس کا نتیجہ آخر کار ملک سے غیرت کے خاتمہ کی صورت میں نکلے، بے راہ روی کا شکار مرد و عورت عوامی غیظ وغضب سے بے پرواہ ہو کر جنسی عیاشی کریں اور اس ملک خداداد میں بھی مغربی تہذیب اپنا ننگا ناچ

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

شروع کر دے۔

قومی اسمبلی میں جو ترمیم ان دنوں پاس ہوئی ہے، اس سے تو یہ نقشہ اُبھرتا ہے کہ عشق وفجور اور بے راہ روی اختیار کرنے والے تو معصوم تصور ہوں اور ان کو روکنے والے کسی تفصیل میں جائے بغیر سیدھا قانون کی گرفت میں۔ اس قانون کا طرفہ تماشا دیکھئے کہ زنا کا کیس ایس پی (اور وہ بھی عدالت کی اجازت سے) ہی درج کرسکے گا گویا زنا کو تحفظ اس طرح عطا کیا گیا ہے کہ جرم کا اندراج ناممکن بنا دیا گیا، دوسری طرف عوام الناس اور خاندان کے مردوں کو قانون کی دھمکی کے ذریعے اس سے منع کرنے کی قانون سازی ہے۔ اس سے پاکستانی معاشرہ کیسی صورتِ حال سے دوچار ہو گا اور حالات ہمیں کدھر لے جائیں گے، اس کا اندازہ ہر ذی شعور کرسکتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ جس المیہ سے اس وقت دوچار ہے وہ یہ ہے کہ تمام ذرائع ابلاغ عشق ومحبت کو ایک مقدس قدر کے طور پر پیش کر رہے ہیں، تعلیمی ادارے اس تصور کی تجربہ گاہ اور عدالتیں انسانی آزادی کے نام پر اس کی ضامن ومحافظ ہیں۔ سارا زور آخر کار غیرت کے نام پر جرائم میں نکلتا ہے، جس سے تھوڑا بہت خوف باقی ہے۔ مقننہ این جی اوز کے ساتھ مل کر اس آخری دیوار کو بھی گرانا چاہتی ہیں جس کے بعد معاشرتی سطح پر یا خاندان کے افراد کی طرف سے رکاوٹ کا کوئی اِمکان باقی نہ رہے اور جو ایسا کرے وہ المناک سزا کا مستحق کیونکہ یہ اس کا جرم ہے جو ان آزاد رو مرد وزن کے عشق ومحبت میں فتور ڈالتا ہے۔

غیرت کے نام پر ان جرائم کو صرف قانونی نقطہ نظر سے روکنے یا جائزہ لینے کی بجائے اس سے پہلے ان تمام مراحل کو کنٹرول کرنا ضروری ہے اور معاشرے کے اس نازک موڑ پر ہمیں یہی فیصلہ کرنا ہے۔ دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب اور اس کے لوازم اور نتائج وعواقب کے لیے خود کو تیار کرنا۔ معاشرے میں ہر طرف اس دورخی سے المیے جنم لے رہے ہیں۔ پارکوں، کلبوں میں دن رات محبت کے نام پر عصمت دری کا جرم ہو رہا ہے اور گلیوں محلوں میں قتل وغارت۔ عدالتیں ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں اور حکومتیں ان کی روک تھام کی بجائے آخری بندھن بھی توڑ دینا چاہتی ہیں۔

ایسی صورتحال میں ہمیں ٹھنڈے دل ودماغ سے ان مسائل پر سوچنا چاہئے اور معاشرے کو درست سمت میں لے جانے کے لئے مناسب اور موزوں قانون سازی اور عوامی رویے اپنانے چاہئیں۔ نہ قانون شکنی اس مسئلہ کا حل ہے اور نہ غیرت جیسے جائز جذبہ سے دستبرداری نبی کریمؐ کے فرامین سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

www.KitaboSunnat.com